قد افلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

دسمبر

2008ء

اللہ

رسول

محمد

المجاهد من جاهد نفسه مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اسلامی مساوات

"اسلامی مساوات سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ہر آدمی کو برابر سرمایہ ملے اور نہ یہ عملاً ممکن ہے بلکہ اسلامی مساوات یہ ہے کہ جس کے ذمہ جتنے فرائض ہیں اتنے ہی اس کے حقوق ہیں وہ اپنے فرائض بھی پورے کرے اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں بھی کسی کو کوئی دشواری نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ کوئی امیر یا بااثر تو اپنا حق حاصل کر لے اور غریب یا مزدور ٹھوکریں کھاتا رہے اور حقوق وفرائض میں برابری ممکن نہیں ہے اور نہ ہی قدرت نے پیدا کی ہے انسان کے علاوہ بھی مخلوق ہے جس کے فرائض کم تر ہیں تو حقوق بھی کم ہیں جیسے جانور کہ حرام حلال یا جائز ناجائز کے مکلّف نہیں تو انسان ان سے استفادہ کرتا ہے سواری باربرداری یا ذبح کر کے کھا بھی لیتا ہے تو یہ کوئی ظلم نہیں ہاں ان سے اگر خدمت لے گا تو کھانا پینا بھی دے گا یا آزاد رہنے دے پھر اللہ کریم خود ان کا مالک ہے روزی دے گا ایسے ہی انسان کو استعداد بخشی تو اس پر فرائض کا بوجھ بھی رکھا اگر دیانتداری سے پورے نہ کرے تو آخرت کا محاسبہ بھی ہوگا اسی قدر ہر ایک کو حقوق بھی عطا فرمائے اور جس طرح فرائض کی ادائیگی میں سب برابر ہیں اسی طرح حقوق حاصل کرنے میں سب برابر ہیں اور اس کا اہتمام حکومت کی ذمہ داری ٹھہرایا"۔

اداریہ

عدل وانصاف کا قیام ہی مسائل کا واحد حل ہے!

اس وقت دنیا میں انسانیت ان گنت مسائل اور مصائب میں گھری نظر آتی ہے۔ ہر اُبھرتے سورج کے ساتھ ان مسائل کی حدت اور شدت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایک طرف ظلم' لاقانونیت اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے اور انسانی خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو چکا ہے' دوسری طرف اقتصادی بحران نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور دنیا کا کوئی ملک موجودہ معاشی بحران کے اثرات سے محفوظ نہیں۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ مسائل پر قابو پانے کے لئے جو انداز اور طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہی نہیں تباہ کن بھی ہے۔ ظلم کو روکنے کے لئے مزید ظلم کیا جا رہا ہے۔ امریکہ اور اُس کے یورپی اتحادیوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں نہتے مسلمانوں پر بدترین ریاستی تشدد کے خلاف مزاحمت کی ہر کوشش کو دہشت گردی کا نام دیکر دنیا بھر میں فساد مچا رکھا ہے۔ مزاحمت کاروں کو عسکریت پسند قرار دیکر اُن سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کے مختلف ممالک کی شہری آبادیوں پر بارود کی بارشیں برسائی جا رہی ہیں۔ گویا آگ کو آگ سے بجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جہاں تک اقتصادی بحران کا تعلق ہے تو اس کے لئے عالمی مالیاتی اداروں سے قرض لے کر معیشت کو سہارا دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ دنیا کے مختلف معاشروں میں سماجی عدل وانصاف اور معاشی مساوات کو رائج کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نظر نہیں آ رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے دنیا میں بدامنی اور لاقانونیت' اقتصادی بدحالی اور سماجی ابتری کا ایک ہی علاج ہے اور وہ علاج یہ ہے کہ دنیا بھر میں نظام عدل قائم ہو۔ عدل کے قیام کے بغیر ظلم پر قابو پانا کسی صورت ممکن نہیں۔ ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ حالیہ عالمی اقتصادی بحران کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ دہشت گردی کے خلاف جاری ایک بے مقصد اور غیر ضروری جنگ پر اُٹھنے والے بے تحاشا اخراجات بھی ہیں۔ بے گناہوں پر گولہ باری کرنے والے ممالک اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے اس ظلم کے بعد وہ خوشحالی کے راستے پر اپنا سفر رکھ جاری سکیں گے تو یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔

اس بین الاقوامی تناظر میں اگر وطن عزیز کے عمومی حالات کا جائزہ لیا جائے تو مملکت خداداد پاکستان انتہائی قابل رحم حالت میں ہے۔ امن نام کی کوئی چیز ملک کے کسی کونے میں کہیں نظر نہیں آتی' کسی کے جان ومال کو تحفظ نہیں' مسجد میں نماز ادا کرنے والے شخص سے لے کر بازار سے سودا سلف خریدنے والے تک ہر ایک کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ مہنگائی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے' تعلیمی نظام تباہ ہو چکا ہے' صحت کے نام پر موت بانٹی جا رہی ہے، بے روزگاری ہر گھر کا مسئلہ بن چکی ہے' چوری ڈاکہ زنی کی وارداتیں معمول بنتی جا رہی ہیں' بے حیائی' عریانی اور فحاشی کا سیلاب اُمڈ آیا ہے' بجلی سے لے کر آٹے تک ہر شے ملک سے نایاب ہوتی جا رہی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عوام الناس میں تیزی سے پھیلتی ہوئی مایوسی اب خطرناک حدود کو بھی کراس کر چکی ہے۔ ملک کے عوام کا سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں سے اعتماد اُٹھ چکا ہے اور ملک میں لیڈرشپ کا شدید فقدان ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بیرونی دنیا کی طرف سے پاکستان پر الزامات کی بارش ہو رہی ہے اور عالمی قوتیں پاکستان کو خونخوار نظروں سے گھور رہی ہیں۔ خطرناک ترین بات یہ ہے کہ ملک کی سیاسی قیادت اس صورتحال میں بے بس نظر آتی ہے اور تا حال وہ قوم کو اُمید کی کوئی کرن دکھانے میں مکمل طور پر ناکام نظر آتی ہے۔ موجودہ صورتحال میں ہر طرف سے طنز وتنقید کے نشتر تو مسلسل برس رہے ہیں' مسائل ومصائب کو پوری شدت سے بیان بھی کیا جا رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس بدترین صورتحال سے باہر نکلنے کا راستہ اور مسائل کا حل کیا ہے؟

یہ سوال جب امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے حسب عادت مختصر مگر جامع جواب دیا کہ "عدل اور صرف عدل ہی کے ذریعے ہر طرح کے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے"۔ یہ حقیقت دلیل کی محتاج نہیں کہ جس معاشرے میں عدل قائم ہوگا وہاں ظلم اور ناانصافی کا وجود نہیں رہے گا۔ اسی طرح عدل کی حکومت میں بدامنی اور لاقانونیت کا بتدریج خاتمہ ہو جائے گا۔ عدل کا قیام صرف پاکستانی معاشرے ہی کیلئے اہمیت نہیں رکھتا بلکہ امریکہ اور یورپی ممالک کے نظام اقتدار، ترقی یافتہ ممالک کے باقی دنیا سے تعلقات، بین الاقوامی معاہدوں اور تنازعات کے فیصلوں میں بھی عدل کی کارفرمائی ہونی چاہئے۔ عدل کو بروئے کار لا کر ہی گونا گوں مسائل کا شکار اس دنیا کے حالات میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے' چاروں طرف سے بحرانوں میں گھرے ہوئے ہمارے ملک کو عدل وانصاف کی شدید ضرورت ہے۔ موجودہ حالات میں حکومتی ذمہ داران کا فرض ہے کہ وہ حالات کی سنگینی اور نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے عدل وانصاف کی فوری اور یقینی فراہمی کے یک نکاتی ایجنڈے پر متفق ہو کر قوم کو مسائل کی دلدل سے نکالنے کی سبیل کریں' بحیثیت قوم اب ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے!

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر
نشانِ منزل
کونسی ایسی بات ہوئی ہے
سوچ سمندر
متاعِ فقیر
آس جزیرہ
دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

/ غزل /

ساری غزلیں کہہ چکے ہم سارے نالے سر ہوئے
اب تیری محفل میں کہنے کو بچا کچھ بھی نہیں

کھول کر دل ہم نے تیرے سامنے تو رکھ دیا
تیری خاموشی کا مطلب ہے' کہا کچھ بھی نہیں

اپنے ہی خوں سے بنائی ہے تیری تصویر بھی
تیرا یہ کہنا کہ ہم نے تو کیا کچھ بھی نہیں

حسن کی نیرنگیاں تو جانِ من تھیں بے شمار
میری خاطر تیرے دامن میں بچا کچھ بھی نہیں

اپنی دنیا میں تو خوش ہے لوٹ کر دنیا میری
تیرا یہ انداز ہے جیسے ہوا کچھ بھی نہیں

تیرے جانے سے گئیں گلشن کی سب رنگینیاں
اب چمن میں پھول یا بادِ صبا کچھ بھی نہیں

ساتھ تیرے جنگلوں میں بھی تھا گلشن کا مزہ
یوں اکیلے میں یہ باغِ خوش فضا کچھ بھی نہیں

یاد ہے پانی کے جھرنے میں بھی کتنے ساز تھے
اب اسی چشمے میں وہ نم وہ نوا کچھ بھی نہیں

زندگی اور موت دونوں ہی جہاں لٹوا دیئے
پھر بھی اے سیماب گھر سے تو دیا کچھ بھی نہیں

اقوالِ شیخ

☆......ہمارے زمانے کے لوگوں کا خیال ہے کہ سفرِ حج ہر حال میں مبارک ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے' اگر سفرِ حج اور ارکانِ حج کی ادائیگی میں لاپرواہی اور کوتاہی کی جائے تو یہی بات غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بن جاتی ہے۔

☆......جو کچھ انسان کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر آتا ہے اور جو زبان پر آتا ہے وہ دل کو متاثر کرتا ہے۔

☆......نیکی اور بھلائی مومن کا خاصہ ہوتی ہے جو بات اللہ کو پسند ہے وہی مومن کے دل کو بھاتی ہے۔

☆......مراقبات کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے اور ان کا مقصد اعمال میں اخلاص' خشوع اور خضوع پیدا کرنا ہے۔

☆......حکومت اگر عوام کے حالات سے باخبر نہ ہو تو پھر اُسے حکومت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔

☆......اسلام کے قانون سزا میں توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھ کر انسان کو سدھرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

☆......ہر جنگ میں ایک فریق کی ہار جیت ہوتی ہے لیکن جب میاں بیوی میں جنگ ہو جائے تو دونوں ہار جاتے ہیں۔

عذابِ الٰہی سے نجات کا راستہ

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 02-11-2008

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم ٥

اللہ کریم معاف فرمائے جس دور اور جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں یہ انتہائی مشکل دور ہے اس میں من جانب اللہ ایسی چیزیں صادر ہو رہی ہیں جو کسی دانشمند کے نزدیک ممکنات میں سے نہیں تھیں لیکن اللہ قادر ہے وہ ایسے امور سرانجام دیتا ہے جو انسان کی فکر سے بالاتر ہوتے ہیں۔

کائنات کا نظام قادر مطلق کی قدرت کے تحت چل رہا ہے لیکن اسکی تعمیر و تخریب کا سبب انسانی اعمال ہیں۔ اللہ نے انسانیت کے افراد کو ایک جسم سے تشبیہ دی ہے ہر فرد کا اپنی قوم سے ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہوتا ہے افراد سے مل کر اقوام بنتی ہیں اور ہر فرد قوم کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یہ بھی فطرت کا اصول ہے کہ جسم کے کسی ایک حصے میں بیماری سرایت کر جائے تو پورے جسم کو تکلیف ہوتی ہے پاؤں میں آبلہ پڑ جائے یا ہاتھ پر چوٹ آ جائے، جسم کے کسی حصے میں کوئی ورم آ جائے، پیٹ میں تکلیف ہو یا آنکھوں میں خرابی آ جائے، دماغ میں خلل آ جائے یا دل میں خرابی آ جائے، پورا بدن اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ افراد انسانیت کی حیثیت بھی اعضائے بدن کی سی ہے۔ کچھ لوگ محض مزدوری کر سکتے ہیں ایسے ہی جیسے بدن کے ساتھ پاؤں ہوتے ہیں کچھ صنعت و حرفت کرتے ہیں جیسے بدن کے ساتھ ہاتھ ہوتے ہیں کچھ پوری قوم کی بقاء کا سبب ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے پورا جسم ہوتا ہے کچھ لوگ قوم کے لئے بھلائی اور بہتری کے کام کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے جسم میں آنکھیں کچھ قوم کے وجود میں کانوں کی طرح ہوتے ہیں وہ تربیت کا سبب ہوتے ہیں کچھ لوگ قوم کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں وہ دماغ کا کام کرتے ہیں تو جہاں کہیں قوم میں خرابی آئے گی اس کی وجہ متعلقہ افراد کے کام میں خلل ہو گا جیسے پاؤں میں تکلیف ہو تو چلنے میں تکلیف ہو گی، ہاتھ جواب دے جائیں گے تو صنعت و حرفت رک جائے گی، آنکھوں میں بینائی کم ہو جائے گی تو راستہ سجھائی نہ دے گا اور خدانخواستہ دماغ میں خرابی آ گئی تو پوری قوم کا مزاج مسخ ہو جائے گا اور اگر بات دل تک پہنچ گئی تو پھر بحیثیت قوم موت کا اندیشہ ہو گا۔

آج کے عہد کا المیہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک خود کو الگ رکھ کر تمام خرابیوں کا سبب دوسروں کو گردانتا ہے اسی لئے خود کو الگ رکھ کر دوسروں کو نصیحت کرتا ہے۔ اپنے لئے وہ سمجھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرتا رہے آخر ایک بندے کا کیا ہے دوسروں کو درست ہونا چاہیے اور یہ وہ سوچ ہے جس سے کبھی اصلاح نہیں ہوتی۔ مثبت رویہ یہ ہے کہ ہر فرد یہ سوچے کہ اس کے حصے کے جو کام ہیں انہیں وہ پوری دیانتداری اور محنت سے کرے دوسروں کو بھی سمجھائے اور کوشش کرے کہ اسکی ذات سے اسکی کوتاہیوں سے پوری قوم کو نقصان نہ ہو۔ لیکن یہی ہماری مصیبت ہے کہ ہم خود کو کسی بات کا ذمہ دار ہی نہیں سمجھتے حالانکہ انسانوں کے اعمال و افعال کا اثر قانون فطرت کے تحت روئے زمین

پر پھیلتا ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **ظھر الفساد فی البرو والبحر بما کسبت ایدی الناس** (الروم ۴۱) خشکی وتری میں انسانوں کے کردار کے باعث فساد پھیل گیا۔ تباہی کے طوفان آتے ہیں' آگ کے گولے برستے ہیں' قتل وغارت گری ہوتی ہے' زلزلے آتے ہیں اس سب کے پیچھے محرک کیا ہوتا ہے؟ **بما کسبت ایدی الناس** لوگوں کے کردار اور لوگوں کے کرتوت اس کا سبب بنتے ہیں۔ جب انسانی کردار بگڑتا ہے تو تباہی کو دعوت دیتا ہے اس کے نتیجے میں فساد پھیلتا ہے۔ دراصل ہر نیک عمل ایک نور اور روشنی پیدا کرتا ہے ہر بُرائی ایک ظلمت اور تاریکی پیدا کرتی ہے۔ اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت روشنی پھیلانے کا سبب ہے اور انکی نافرمانی دنیا میں تباہی پھیلانے کا سبب ہے۔

ہم عبادت پر بھی محنت کرتے ہیں لیکن اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتے اللہ کے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق نہیں کرتے اسی لئے عبادت پر محنت کے باوجود ہماری عملی زندگی نہیں بدلتی۔ دیکھ لیجیے لاکھوں لوگ ہر سال حج پر جاتے ہیں اور سارا سال جو لوگ عمرے کے لئے جاتے ہیں ان کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی لیکن کیا یہ عمرہ اور حج اور ہماری عبادات ہماری عملی زندگی کو متاثر کررہی ہیں؟ حالانکہ قرآن حکیم نے عبادات کا اجر یا ثواب کردار کے تبدیل ہونے کو قرار دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے **ان الصلوٰة تنھی عن الفحشاء والمنکر** (العنکبوت ۴۵) صلوٰة بُرائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ ثواب تو نقد ملتا ہے عبادت سے کردار میں بہتری آتی ہے تو پھر حج اور عمرے سے تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ انسانوں کو ایک غلط فہمی ہوگئی ہے کہ عبادات کا ثواب مرنے کے بعد ملے گا۔ یہ سوچ درست نہیں قرآن حکیم ہر عبادت کا حاصل بتاتا ہے روزے کا حاصل تقویٰ ہے صلوٰة اللہ کی یاد کے لئے ہے۔ حج اور عمرہ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہے ذکر اذکار تلاوت قرآن اللہ سے ہمکلامی کی سعادت ہے قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ہر عبادت کا نقد اجر ملتا ہے اور وہ نقد اجر ہے توفیق عمل کا حاصل ہوجانا۔ انسان کے کردار کا بے حیائی اور بُرائی سے پاک ہوجانا بُرائیوں سے نیکیوں کی طرف کا سفر ہونا لیکن ہمارے ہاں عبادات جنت کے حصول کے لئے کی جاتی ہیں۔ یاد رکھیں! کوئی شخص عبادت کر کے آخرت کو نہیں خرید سکتا۔ اس لئے کہ عبادت کی اتنی مزدوری نہیں بنتی جتنی نعمتیں وہ پہلے حاصل کر چکا ہے۔ اللہ کریم نے عبادت کو احساس تشکر کے ساتھ رکھتے ہوئے فرمایا ہے۔ **یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون** o (البقرہ ۲۱) لوگو! اللہ کی عبادت اسلئے کرو کہ وہ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا مالک ہے' رازق ہے۔ تم اگر اپنی ذات پر غور کرو تو اس نے اپنی اتنی نعمتیں تمہارے ایک وجود میں جمع کردی ہیں کہ تم ساری زندگی صرف ایک نعمت کے شکرانے میں سجدے کرتے رہو تو اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا لہٰذا عبادات اس لئے کرو کہ تمہیں تقویٰ نصیب ہوجائے۔

عبادات سے توفیق عمل ہوتی ہے' اعمال کی اصلاح ہوتی ہے نیک عمل اللہ کی رضا کا سبب بنتا ہے اور آخرت کی نعمتیں محض اللہ کا انعام ہے جس کا کردار اتباعِ رسالت میں ہوگا' جس کے اعمال وہ قبول فرمائے گا' جس پر وہ راضی ہوگا اس پر مزید انعام فرمائے گا اور وہ انعام ہے اُخروی نعمتیں۔ عبادات کر کے کوئی بندہ اللہ پر احسان نہیں جتا سکتا نہ اس سے مطالبہ کرسکتا ہے کہ اتنی عبادات کے بدلے اتنی نعمتوں کا وہ حقدار بن چکا ہے۔ اس لئے کہ بندہ اپنی تخلیق کی صورت میں اپنے وجود اور اپنی ذات کے اندر اللہ کی اتنی نعمتیں حاصل کر چکا ہے کہ اس کے بدلے وہ اپنی پوری زندگی عبادت کر کے بھی بدلہ نہیں چکا سکتا۔ بندہ ایک ایک عضو بدن کے کام کو دیکھے دماغ' اعصابی نظام' دل' جگر

ایک ایک عضو میں ایک جہان آباد ہے ہر بندے میں وہ سارے موسم رواں ہیں جو دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں جس طرح اس کائنات بسیط میں اور کائنات میں موجود ہر وجود میں پیدا ہونے اور مرنے کا عمل جاری ہے انسان پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں گھاس اُگتی ہے اور سوکھ بھی جاتی ہے فصلیں اُگتی ہیں اور ختم بھی ہو جاتی ہیں پھل لگتے ہیں جھڑ بھی جاتے ہیں درخت اُگتے ہیں ختم بھی ہو جاتے ہیں تخلیق اور فنا کا ایک مسلسل عمل جاری ہے اسی طرح ایک وجود کے اندر بھی ایک مسلسل عمل ہے جدید سائنس کے مطابق انسانی وجود میں کم وبیش اڑھائی کھرب خلیے ہوتے ہیں جو ہر لمحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں تخلیق وتعمیر کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یہ اڑھائی کھرب تقریباً چھ ماہ میں تبدیل ہو چکے ہوتے ہیں انسانی وجود میں موت وحیات کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب انسان کوتاہی کرتا ہے تو انسانی وجود کے اڑھائی کھرب خلیوں سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ اپنے ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔ اطاعت الٰہی پر اڑھائی کھرب روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہیں یا اڑھائی کھرب دھوئیں کی لکیریں نکلتی ہیں۔ یوں انسان کے بھٹکنے سے بُرائی کے اثرات خشکی وتری پر فساد پھیلاتے ہیں۔ جو آزمائشیں انسانوں پر من جانب اللہ آتی ہیں اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کا احساس زندہ ہو تکلیفیں اور مصائب بھیج کر انہیں جھنجھوڑا جاتا ہے کہ وہ سوچیں کہ زلزلوں کی تباہی' بیماریوں کا پھوٹ پڑنا' مصائب کا نزول ان سب کا سبب کہیں وہ خود تو نہیں بن رہا۔ لیکن ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک بندے کے ذہن میں یہ وہم سما چکا ہے کہ ہم تو فرشتے ہیں دوسرے سب خراب ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ہر ایک انسان کو ہر لمحہ اصلاح کی ضرورت باقی ہے۔ صرف انبیاء علیہم السلام کی ذات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ایسے مکمل انسان ہوتے ہیں جن میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ تباہی کا سبب کہیں ہمارا کردار تو نہیں!

قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جب قومیں بہت بگڑ جاتی ہیں' لوگ باغی ہو جاتے ہیں' بددیانتی کو شعار بنا لیتے ہیں دنیا کو مقصد حیات بنا کر جائز وناجائز ذریعے سے صرف دولت جمع کرنا ہی ان کا شعار بن جاتا ہے تو اُن پر ایک بہت بڑا عذاب نازل ہوتا ہے قرآن حکیم کی اصلاح میں اسے معیشتاً ضنکا کہتے ہیں روزی کا اس طرح تنگ ہو جانا کہ اشیائے ضرورت موجود ہوں قوت خرید بھی ہو لیکن وہ انسانوں کی دسترس سے باہر ہو جائیں یہ عذاب کی وہ شکل ہے کہ انسان کی زندگی سب کچھ ہونے کے باوجود اس پر تنگ ہوتی جاتی ہے اور اس عذاب کے مظاہر آج ہمارے معاشرے میں جا بجا نظر آرہے ہیں لوگوں کے پاس سرمایہ ہے لیکن اشیائے ضرورت نہیں ملتیں۔ آٹا نایاب ہے دوائیں نقلی ہیں' شفا خانے میں علاج عنقاء ہے ان تمام مصائب کا حل ان عذابوں اور تکلیفوں سے چھٹکارا اسی طور ممکن ہے کہ بندہ رجوع الی اللہ کرے' حل یہ ہے کہ بندہ توبہ کرے ورنہ انسان کو اپنے کئے کی سزا مل کر رہتی ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے بڑا عجیب سوال کیا کہ غلطیاں اور جرم تو حکمران کرتے ہیں لیکن افلاس آٹے اور بجلی کی نایابی مہنگائی اور قدرتی آفات زلزلے وغیرہ سے صرف عوام متاثر ہوتے ہیں حکمران ان سب سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ عیش کرتے پھرتے ہیں؟ میں نے اُن سے کہا کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ ان ظالموں کو حکمران بنانے کا سبب کون ہے؟ کس نے انہیں ایوان اقتدار تک پہنچایا؟ کون زینہ بنا اسلام آباد کے اونچے محلوں میں پہنچانے کا؟ جو زینہ بنا ہے وہ اس عذاب کو پہلے بھگتے گا اگر حکمرانی کی کرسی پر بُرائی پہنچانے والے کو بٹھایا تھا تو اب وہ کرسی عذاب پہنچانے سے باز نہیں آئے گی جب

تک وہ اپنے لئے عذاب اکٹھے نہیں کر لیتا وہ اقتدار سے نیچے نہیں اُترتا لیکن ایسے بددیانت کو وہاں پہنچانے والے بھی اپنی نیت میں بددیانتی کے باعث ایسا کرتے ہیں۔ حکومت تو عام آدمی کے حقوق کے تحفظ کے لئے بنائی جاتی ہے لیکن ہماری حکومت کے بننے سے ہمارے حقوق چھننا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اسے بددیانتی سے بناتے ہیں ہمارے رائے دینے میں بددیانتی ہوتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ کسی ایسے کو ووٹ دیں جو ہیرا پھیری کرنے میں بددیانتی کرنے میں ہماری مدد کرے۔ ایسے افراد کو جب ہم ووٹ دے دیتے ہیں تو وہ خود چوری ہیرا پھیری کر کے دولت جمع کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور اُسے ووٹروں کے بددیانتی کے کاموں میں مدد کرنے کا خیال بھی نہیں رہتا۔ سوجو حالات الجھ چکے ہیں وہ ہم نے خود الجھائے ہیں اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس بددیانتی کا احساس بھی نہیں یہاں تک کہ ہمارے صحافی بھی اس مرض اور اس کے علاج کی نشاندہی نہیں کرتے اکثر کالم نگار تو خوشامد لکھتے ہیں اور جو بڑا جرات مند اٹھتا ہے تو وہ بھی حکومت پر تنقید کرتا ہے کوئی حق نہیں کہتا کہ حکومتیں تو ہم عوام نے بنائی ہیں ان حکومتوں کی غلط کاریوں کی ذمہ داری تو ہم پر آتی ہے ہم نے ایسے لوگوں کو چنا اس میں ہماری نیت کیا تھی؟ اب اسی ارادے کے اثرات ہم پر اُلٹ کر آ رہے ہیں۔

کیسی عجیب بات ہے خود کو مسلمان کہلوانے والے نبی کریم ﷺ کے اُمتی ہونے کے دعویدار آج کافروں کے پاؤں کی ٹھوکروں میں ہیں۔ ہمارے نام سے تو کفر کو لرزہ براندام ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں معاملہ بالکل اُلٹ گیا ہے وہ ہمیں ہمارے ملک میں آ کر مارتے ہیں اور پھر ہم اُن سے معافی بھی مانگتے ہیں کیسا عجیب زمانہ آ گیا ہے کہ ایک عرصے سے ہماری حکومتوں کا بڑا کارنامہ یہ شمار کیا جاتا ہے کہ اس حکومت نے کافروں سے اتنا قرض لے لیا یہ کیسی عجیب قوم ہے؟ اور کیا عجیب سوچ ہے؟ جو چیزیں قابل مذمت تھیں وہ قابل فکر قرار پائیں الفاظ کے معانی بدل گئے اقدار بدل گئیں۔ مانگ کر کھانا تو کسی دور میں قابل فخر نہیں تھا آج مومن کا کافر سے خیرات مانگنا قابل فخر ہو گیا! یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ کہنے کو مسلمان ہیں لیکن عقیدے کے اعتبار سے' فکری اعتبار سے اور عملی اعتبار سے ہم نے دامان رحمت رسول ﷺ کو چھوڑ دیا ہے اور خواہشات نفس کے اسیر ہو گئے ہیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ کروڑوں کی آبادی میں لاکھوں نمازی ،باریش، حاجی، دکاندار' تاجر، ملازم ملتے ہیں لیکن کیا اُن سے معاملہ کرتے ہوئے یہ یقین ہوتا ہے کہ جو قیمت بتائے گا وہ صحیح ہو گی جو مال بیچے گا اس کی وہی کوالٹی ہو گی جو دکھائی تھی یا جو ذمہ داری سونپی تھی اسے ایمانداری سے پورا کرے گا؟ اور اگر یہ نہیں کہا جا سکتا تو پھر ہمارے ہر سال کے حج دوران سال کے عمرے' رمضان کے روزے' سال بھر کی عبادتیں' شب و روز کے ذکر اذکار یہ کیا ہوئے؟

ہمارے احباب کو ذکر اذکار کے بعد بڑی فکر اس بات کی رہتی ہے کہ منازل و مراقبات کہاں تک پہنچے؟ میاں منازل کو دیکھنا ہے تو اپنے کردار کے آئینے میں دیکھو۔ اگر بات کرتے ہوئے تمہیں اللہ سے حیا آتی ہے۔ اگر کام کرتے ہوئے تمہارے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی کھڑی ہو جاتی ہے تو تمہیں بڑا مقام حاصل ہے اور اگر غلطی کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں آتی بات کہتے ہوئے کام کرتے ہوئے عظمت الٰہی پیش نظر نہیں رہتی تو جو کچھ کر رہے ہو یہ ریا کاری ہے' ڈھونگ ہے' حقیقت نہیں۔ اداکار سٹیج پر ایک مکہ مارتا ہے تو دس بندے گر جاتے ہیں وہی شخص سٹوڈیو سے باہر نکلے اور کوئی ایک تھپڑ مار دے تو وہ چھ مرتبہ گرتا ہے اگر ذکر اذکار اور عبادات بھی اسی درجے پر ہیں تو پھر یہ اداکاری ہے اور اداکاری میں حقیقت نہیں ہوتی ایک

نمائش ہوتی ہے۔ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہماری عبادات بھی نمائش کا سبب بن گئیں۔ ہم عبادات کے ذریعے اپنی پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹنا چاہتے ہیں ہم اپنے اوپر اسلام کا روغن لگائے رکھنا چاہتے ہیں اندر خواہ کچھ بھی ہو۔ یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے!

قوموں کے زوال میں بدکاروں کا حصہ ہوتا ہے' شرابیوں' چوروں اور بددیانتوں کا حصہ تو ہوتا ہے لیکن اگر حاجی اور نمازی بھی زوال کا سبب بن گئے تو پھر یہ قوم کیسے زندہ بچے گی؟ اور آج نمازی و بے نمازی کی عملی زندگی ایک جیسی ہے۔ ہمارے پاس عملاً اب کچھ بھلائی باقی نہیں بچی لیکن اللہ کا باب رحمت بند نہیں ہوا' توبہ کا دروازہ کھلا ہے' دامان رسالت ﷺ ابھی تک وا ہے اس سے پہلے کہ ہم سے واپسی کی توفیق چھن جائے یا ہماری مہلت عمل ختم ہو جائے ہمیں دامان رسالت ﷺ میں پناہ لینی ہوگی۔ ہمارے بچنے کا اب ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنی رائے چھوڑ دیں اور ارشادات پیغمبر ﷺ کو اپنی زندگی کا شعار بنالیں۔ ہم اپنی بڑائی کے گھمنڈ سے نکل آئیں اور اللہ کی بڑائی قبول کرلیں۔ بیک وقت دو ہستیاں بڑی نہیں ہوسکتیں کہ ہم یہ تو کہیں کہ اللہ کو بڑا مانتے ہیں اور ساتھ ہم خود کو بھی بڑا سمجھیں ایسا ممکن نہیں۔ اگر اللہ بڑا ہے تو ہماری کوئی حقیقت نہیں اور اگر ہم اپنی بڑائی میں مبتلا ہیں تو پھر عظمت الٰہی کو فراموش کر چکے ہیں۔

اس واپسی کے لئے توفیق الٰہی طلب کریں اپنی ذات پر محنت کے ساتھ ساتھ دوسروں پر محنت کریں اس لئے نہیں کہ ہماری جماعت بڑی ہو جائے گی نہ اس لئے کہ ہماری شہرت ہو جائے نہ اس لئے کہ ہم کسی گنتی شمار میں آجائیں بلکہ اس لئے کہ اس قوم کو موت کے منہ سے نکالا جائے اس قوم کو عذاب الٰہی کی گرفت سے نکالا جائے اسے تباہی سے بچا کر بلندیوں کی راہوں پر ڈالا جائے اس کے لئے رات دن کام کریں اپنی ذات پر محنت کریں اپنے کردار کا محاسبہ کریں اپنی گفتار کا محاسبہ کریں۔ زبان کا درست استعمال اچھے کردار کی بنیاد ہے۔ زبان کو سنبھال کر استعمال کریں اور یقین رکھیں کہ ایک ایک لفظ لکھا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے وما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (سورۃ ق۔۱۸) جو لفظ بھی بولا جاتا ہے متعین نگران فرشتے لکھ لیتے ہیں۔

کسی بزرگ سے کسی نے بغرض اصلاح پوچھا کہ وہ کس طرح اپنی اصلاح کرے انہوں نے مشورہ دیا ایک دن اپنے ساتھ ایک نوٹ بک رکھ لو صبح سے شام تک جو کہو جو بولو وہ لکھتے رہنا شام تک اپنا لکھا ہوا خود پڑھ لینا پھر تمہیں خود سمجھ آجائے گی۔ اس نے دن بھر سوچا کہ جو بولوں گا لکھنا پڑے گا لہٰذا سوچ کر بولتا رہا رات تک اس کی نوٹ بک تو اچھی تھی لیکن دن بھر وہ کوئی غلط بات منہ سے نکال نہ سکا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچا اور عرض کی کہ اسے کوئی آسان سی بات بتا دی جائے جس سے اللہ کریم اس سے راضی ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اسے نصیحت فرمائی کہ وہ جھوٹ بولنا چھوڑ دے وہ اتنی مختصر نصیحت سے بہت خوش خوش واپس آیا ہر کام کے وقت اس نے خود پر پابندی لگالی کہ کسی صورت جھوٹ نہیں کہنا جھوٹ کا معاملہ نہیں کرنا روزی کمانے میں جھوٹ نہیں بولنا تو اس طرح اس کا ہر کام سدھرتا چلا گیا تب اسے معلوم ہوا کہ نصیحت تو مختصر تھی لیکن عملی زندگی کے ہر گوشے پر محیط تھی۔ ہم بھی اگر صرف جھوٹ بولنا چھوڑ دیں تو ہر کام درست طریقے پر ہوگا۔ عبادت کے وقت عبادت' کمانے کے وقت حلال کمانا' بولتے وقت بات سچی کہنی ہوگی لیکن ہو کیا رہا ہے؟ سود کے پیسے جمع کروا کر حج کا سفر کرتے ہیں حرام اور ناجائز کمائی سے اخراجات زندگی پورے کرتے ہیں یعنی حرام کھا کر الحمد للہ کہتے ہیں۔ ہم جو نہیں ہیں وہ بننا چاہتے ہیں بن بن کر دکھاتے ہیں کوئی خود کو بڑا عالم سمجھے بیٹھا ہے کوئی خود کو زاہد سمجھے بیٹھا

ہے کوئی خود کو بڑا بہادر اور کوئی بڑا سخی مانتا ہے لیکن حقیقت کیا ہے یہ اللہ ہی کو پتہ ہے ہم تو اپنی بڑائی میں بھی اپنے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ کچھ لوگ اب بھی اس قوم میں واقعی اچھے ہیں اسی لئے اس قوم کی نبضیں رکی نہیں ہیں دل کی دھڑکن جاری ہے اگرچہ سست روی سے چل رہی ہے اس میں حیات باقی ہے اگرچہ قوم بھوک اور افلاس تلے دبی ہوئی ہے اور مصیبتوں اور سختیوں کے باوجود دہشت گردی کا علاج تلاش کر رہی ہے۔

دہشت گردی کیا ہے؟ بُرائی کا ثمر ہے شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کا پھل ہے۔ آپ کیکر بوئے جا رہے ہیں اور کانٹوں کا گلہ کرتے ہیں کانٹے چھلتے جا رہے ہیں کانٹے کبھی ختم نہیں ہوں گے جب تک آپ کیکر اُگانا بند نہیں کریں گے۔ آپ خلاف شریعت کئے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں دہشت گردی ختم ہو جائے پھر ظلم کو ظلم ہی سے مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ ظلم کو مزید ظلم کرنے سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ ظلم کا علاج ظلم سے کرنے کے بارے سحر انصاری نے کہا تھا۔

نئے دستور ہیں نئے زمانے کے لئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

ظلم تو صرف عدل سے مٹایا جا سکتا ہے جیسے آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ لیکن اب الفاظ کی حرمت مجروح ہو گئی ہے زندگی کا فلسفہ ہی اُلٹ گیا ہے ہم خود ظلم کرتے ہیں اور کہتے ہیں ظلم مٹ جائے گا اب اقدار اور اوصاف کا مفہوم بدل گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ہماری رگ و جاں باقی ہے اس کا مطلب ہے قوم کے وجود کا کوئی نہ کوئی حصہ دل ابھی تک دھڑک رہا ہے۔ رگوں میں خون باقی ہے کچھ رگیں وجود میں ایسی ہیں جو خراب ہونے سے بچ گئی ہیں لیکن یہ جان بہ لب مریض کی کیفیت ہے اس قوم کو اس کی حیات نو بخشنے کے لئے ہمیں توبہ کرنی ہوگی اپنی اصلاح کرنی ہوگی قوم میں حیات نو پیدا کرنے کی اپنی سی کوشش کرنی ہوگی کم از کم ایک فرد ایک اور فرد کی اصلاح تو کرے ایک شخص اپنے ساتھ کسی دوسرے کو قائل کر لے۔ لیکن ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ اس لئے کہ برتن بھر جائے تو پانی بہتا ہے خود ادھورا ہو تو کسی دوسرے کو کیا سیراب کرے گا؟ ہم پوری زندگی اپنی اصلاح نہیں کر پاتے دوسروں کی کیا خاک کریں گے؟

ہم ساری زندگی خود گوں مگوں کی کیفیت میں رہتے ہیں دوسرے کو یقین کیسے دلا سکتے ہیں؟ مجھے اسی کیفیت میں مبتلا اشخاص کے خط آتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جاتی دعا کر دیں۔ میں انہیں جواباً لکھتا ہوں کہ آپ نے میری دعا سے نماز پڑھنی ہے تو اللہ آپ کی فطرت ثانیہ بنا دیتا۔ آپ کی مجبوری بنا دیتا جس طرح بلا اختیار سانس لیتے ہیں بلا اختیار دل دھڑکتا ہے اسی طرح وجود بلا اختیار نمازیں بھی پڑھ لیتا لیکن اللہ نے نماز کو ہمارے اختیار پر چھوڑا ہے ہمیں مکلف بنایا ہے کہ اللہ کے مجبور کرنے سے نہیں اپنی مرضی سے پڑھو یعنی اللہ نے حکم دیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور ہم اگر جواباً کہیں کہ اللہ تو ہی ہم سے کروا لے تو کیا یہ تعمیل ارشاد ہوگی؟ رزق کے معاملے میں تو سب کو پتہ ہے کہ روزی اللہ دیتا ہے کوئی بھی ہاتھ چھوڑ کر نہیں بیٹھ رہتا کہ اللہ رازق ہے خود ہی لقمہ بنا کر منہ میں ڈالے گا۔

اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے ہم محنت کرنے کے مکلف ہیں البتہ نتائج اللہ کریم کے ہاتھ میں ہیں تو پھر یہی قانون ہم عبادت پر لاگو کیوں نہیں کرتے؟ روزی رزق کے لئے تو اسباب اختیار کرتے ہیں محنت کرتے ہیں عبادت کے وقت چاہتے ہیں یہ از خود ہی ہو جائے۔

میرے بھائی سادہ سی گزارش ہے کہ کوشش، محنت اور مجاہدہ ہمارے ذمے ہے یہ ہمیں ہی کرنا ہے توفیق اللہ کریم نے دینی ہے اور نتائج بھی اس کے دست قدرت میں ہیں اللہ قبول فرمائے۔

اب شاید ہمارے پاس مزید انتظار کی گنجائش نہیں ہم بحیثیت قوم جاں بہ لب ہیں خدانخواستہ کیا اس کے مرنے کے بعد ہم تریاق لائیں گے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ جتنا بدکردار آدمی ہے وہ اتنی ہی بلندی پہ چلا گیا ہے۔ یہ علامت قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جن میں استعداد ہے ذہانت ہے وہ تو دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور نالائق وبددیانت حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر براجمان ہیں۔ اس گھپ اندھیرے میں اس تاریکی میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میں کیا کرسکتا ہوں؟ آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ہم خود کو حضورﷺ کے اتباع کے سانچے میں ڈھال لیں۔ کم ازکم ہمارے حصے کی بُرائی معاشرے سے ختم ہو جائے ہماری وجہ سے ہماری نافرمانیوں کے باعث جو تکلیف قوم کے وجود کو پہنچ رہی ہے وہ ختم ہو جائے پھر جہاں تک بس چلے دوسروں تک یہ پیغام پہنچائیں اپنے عمل سے اور اپنے قول سے اپنے دل میں خیر خواہی رکھتے ہوئے بھائیوں کو دوستوں کو عزیزوں کو اس طرف لائیں کہ آؤ امانت ودیانت اختیار کریں اللہ کے دین کے احکام کی پابندی کریں۔

اپنے ایمان ویقین کو مضبوط کرو تو یہ ایک محنت ہے جو اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ کرنی چاہیے۔ جو اللہ کی مخلوق کو عذاب اور تباہی وگمراہی سے بچانے کا سبب بنے گا اُسے اللہ بہت نوازے گا اللہ اس سے بہت راضی ہوگا میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے پاس انتظار کی گنجائش نہیں ہے جو کسی سے ہوسکتا ہے وہ اسے کر گزرنا چاہیے۔ توفیق اللہ کے پاس ہے لیکن فیصلہ انسان کو خود کرنا ہوتا ہے اور جو طے کر لیتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

اللہ کریم ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں نیکی کی توفیق ارزاں کرے۔ آمین

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب دار فانی سے کوچ کر گئے ھیں۔

☆......کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سیف الرحمٰن ایک حادثہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

☆......ملتان سے حکیم حامد محمود خان کی چچی جان وفات پا گئی ہیں۔

☆......ڈیرہ اسماعیل خان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عرفان کے جواں سال بھائی وفات پا گئے ہیں۔

اللہ تعالی مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ھے

ضرورت رشتہ

جنس لڑکی

عمر 30 سال

تعلیم طالبہ یونیورسٹی (فائن آرٹس)

درازقامت' خوبصورت' خوب سیرت

ذات۔ مغل بھٹی' رہائش فیصل آباد

اچھے خاندان کے تعلیم یافتہ' باروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

(نوٹ) فیصل آباد اور گردونواح سے والدین رابطہ کریں

(سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی)

رابطہ 0321-7611287 0321-8665719

اسلام کا نظامِ عدل

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 06-10-2007

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن حکیم نے قومی زندگی اور معاشرے کے لئے ایک اصول دیا ہے **ولکم فی القصاص حیوۃ یآ ولی الالباب** (البقرہ ۱۷۹) قصاص میں حیات ہے یعنی مجرم کو سزا دینا عدل ہے اور یہ صاحب خرد لوگوں کا کام ہے جنہیں معاملات کو سمجھنے کی استعداد حاصل ہے۔ نظام عدل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جہاں بھی کوئی اپنی حدود سے تجاوز کرے وہاں عدلیہ کو اس کا نوٹس لینا چاہیے اور بندے کو اس کا حق واپس دلوا کر حدود سے تجاویز کرنے والے کو سزا دلوائی جائے۔

اسلام میں سزاؤں کی دو قسمیں ہیں ایک حدود دوسری تعزیر۔ حدود وہ سزائیں ہیں جو اللہ نے خود مقرر کر دی ہیں اور یہ چار امور میں ہیں قتل اسکے بدلے سزائے موت ہے ڈاکہ چوری اور بدکاری اگر یہ ثابت ہو جائیں تو وہ سزا دی جائے گی جو شریعت نے مقرر کی ہے جو اللہ نے مقرر کی ہے عدالت کے ذمہ اس جرم کو ثابت کرنے کے لئے شہادتیں جمع کرنا ہے ثبوت فراہم کرنا ہے اور جرم ثابت ہو جانے پر وہ سزا جاری کرنا ہے جو اللہ کریم نے مقدر کر دی ہے۔ اس کے علاوہ جتنے جرائم ہیں انکی سزا عدالت کی صوابدیدہ پر رکھی گئی ہے کہ وہ حالات کے مطابق کیا تجویز کرتی ہے سزا کے طور پر مثلاً جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے جتنی رقم خورد برد کی اس سے زائد بھی جرمانہ لگ سکتا ہے۔ جتنی رقم کسی کی لی تھی اتنی اُسے واپس کر کے باقی رقم حکومتی خزانے میں جمع ہو گی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جائے گی۔ اگر کسی کا جرم یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی پر جسمانی تشدد کیا ہے تو ایسے شخص کی آزادی سلب کی جائے گی وہ قید ہو کر اپنی سزا پائے گا تو یہ مختلف جرائم کی مختلف سزائیں ہیں لیکن ہر ایک میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام نے کسی فرد کو رعایت نہیں دی۔ عام آدمی سے لیکر حکمران تک ہر ایک کے حقوق متعین ہیں اور ہر فرد کو اس کا حق ملنا چاہیے اور جہاں بھی کوئی اس میں مداخلت کرے وہیں حکومت وقت عدالت کے ذریعے انصاف فراہم کرے جس کی حق تلفی ہوئی ہے اسے حق ہے کہ وہ حکومت سے فریاد کرے اور اگر حکومت خود نوٹس لینا چاہے تو از خود بھی نوٹس لے سکتی ہے بلکہ عوام کے حقوق واپس دلانا حکومت کی ذمہ داری ہے حکومتی ادارے بنانے کا مقصد عوام کے حقوق کا تحفظ ہے جو ملکی ادارے مرکزی، صوبائی ضلعی سطح پر بنائے جاتے ہیں جو تحصیل، گاؤں کی سطح سے ہوتے ہوئے پولیس تھانے اور چوکی تک پہنچتے ہیں ان سب کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حالات پر نگاہ رکھیں عوام کے حالات سے باخبر رہیں اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ افسران ترقی پا کر صرف اپنے جاننے والوں کی فریاد لائیں تو اس پر کارروائی ہو۔ ان کا فرض ہر شہری کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے اور یہ اداروں کی ذمہ داری ہے کہ جہاں بھی کوئی غلط کام ہوتا ہے وہاں مداخلت کریں اور جس کا حق غصب ہوا ہے اسے حق دلوائیں اور اگر حکومت عوام کے حالات سے باخبر نہیں ہے تو پھر اسے حکومت کرنے کا حق بھی نہیں

ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے دوران گشت ایک بڑھیا کو تکلیف میں دیکھا تو فرمایا آپ نے حکومت کے متعلقہ اداروں کو اس کی خبر کیوں نہیں دی؟ اور امیر المومنین تک اپنی فریاد کیوں نہیں پہنچائی؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ امیر المومنین ایک فرد ہے اور ریاست اتنی بڑی ہے بے شمار لوگ ہیں اور بے شمار مسائل ہیں تو ایک فرد کس طرح ہر بندے کے حال سے واقف رہ سکتا ہے؟ اُن محترم خاتون نے فرمایا اگر امیر المومنین لوگوں کے حالات سے واقف نہیں رہ سکتے تو انہیں عوام پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ دراصل خلیفہ اپنے عوام کے لئے ایک گلہ بان کی حیثیت رکھتا ہے وہ اپنے گلے یا ریوڑ کے ہر جانور کو پہچانتا ہے۔ ایک گڈریے کے ریوڑ میں اگر ہزار بھیڑیں بھی ہوں تو چرواہے کو گلہ بان کو ہر بھیڑ کی پہچان ہوگی وہ ایک ایک سے واقف ہوگا کہ کس کو تکلیف ہے کون صحت مند ہے کون شیر دار ہے اور کون نہیں ہے جبکہ ایک عام انسان کو سب بھیڑیں ایک جیسی نظر آتی ہیں یہی حال حکمران کا ہوتا ہے وہ اپنی رعیت کا چرواہا ہوتا ہے اس پر واجب ہے کہ رعایا کے افراد کی ضروریات زندگی سے واقف ہو انکی صحت تعلیم اور معاش کے لئے ایسا نظام بنائے کہ ہر فرد کو اس کا حق پہنچے خواہ وہ فرد مسلمان ہو یا نہ ہو۔ اسلامی حکومت غیر مسلموں سے ٹیکس لینے کے بعد انکی جان' مال عزت آبرو' کا تحفظ کرنے اور روزگار تعلیم اور صحت کی سہولیات بہم پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ اللہ نے نیکی و بدی کی تمیز عطا کرنے کے بعد اسلام جیسی نعمت عام کرنے کے بعد ہر انسان کے لئے اس کے انسانی حقوق بحال رکھے ہیں کسی کو مسلمان بننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ سو حکومت کا اصل کام عوام کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے اس کے لئے اسلامی قوانین کا نفاذ ضروری ہے اسلام سزا دے کر مظلوم کو حق واپس دلا کر انسان کو اصلاح پر آمادہ کرتا ہے جیسے قتل کی سزا قتل ہونا ہی ہے لیکن بندے کو اصلاح کا موقعہ دینے کی ایک رعایت رکھی ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء راضی ہوں تو قصاص کے لئے کچھ رقم جسے دیت کہتے ہیں لے کر اُسے چھوڑ دیں تو اسکی سزائے موت معاف ہو جاتی ہے لیکن عدالت کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ تادیبی کارروائی کے طور پر کچھ اور سزا دے' جرمانہ کرے یا قید رکھے یا بُری کر دے اس کا فیصلہ اسکے حالات کے مطابق اسکی پہلی زندگی اور طور اطوار کے مطابق ہوتا ہے اور یہ بات جاننا ضروری ہے کہ جسے ورثاء نے قصاص لیکر سزائے موت سے بُری کر دیا اور عدالت سے بھی بُری ہو گیا اب اسکی اُخروی باز پرس اللہ کریم کے دست قدرت میں ہے اس کا تعلق بندے کی نیت اور اس کے خلوص سے ہے اگر اس نے خلوص نیت سے توبہ کی تو اللہ کریم معاف کرنے والا ہے لیکن اگر اسکی نیت آخرت کی معذرت کی نہیں بلکہ دنیاوی سزا سے بچنے کے لئے اس نے جرمانہ ادا کیا ہے تو پھر اُخروی سزا کا معاملہ اپنی جگہ رہے گا اسلام کے قانون سزا میں بھی توبہ اور اصلاح احوال کی گنجائش رکھ کر انسانوں کو سدھرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

اسلامی سزاؤں کی دوسری قسم تعزیرات ہیں۔ تعزیرات وہ سزائیں ہیں جو جج صاحبان اور قانون دانوں کی صوابدید پر ہوتی ہیں اور انکی مختلف صورتیں ترتیب دی جاتی ہیں لیکن ہمارے بزعم خود دانشور بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اسلام عملی طور پر صرف خلافت راشدہ کے عرصے تک ہی نافذ رہا اس کے بعد ملوکیت آ گئی تب سے آج تک اسلام کہیں بھی عملاً نافذ نہیں ہوا۔ یہودیوں کے ایماء پر یہ جھوٹ گھڑا گیا اور اسے لوگوں میں اس طرح پھیلایا گیا کہ مسلمان حکمران و دانشور یہی بات دہراتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ عہد بہ عہد مسلمان حکمران شرعی عدالتیں قائم کرتے رہے اور اسلام کا نفاذ ہوتا رہا برطانوی عہد میں جب ہندوستان پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تو جو مسلم ریاستیں برطانوی حکومت کے زمانے میں بھی موجود تھیں ان

ریاستوں نے اپنی ریاستی حدود کے اندر شرعی عدالتیں قائم رکھیں اور فیصلے شریعت کے مطابق کیئے اس کی مثال مشہور مقدمہ بہاولپور ہے اس مقدمے کی روئیداد پانچ جلدوں میں مرتب شدہ موجود ہے ہم نے احباب کے ساتھ مل کر کوشش کر کے اسکی تلخیص کروائی اور ہمارے ادارے کی طرف سے شائع ہوئی یہ مقدمہ ایک بچی کے والد کی طرف سے دائر کیا گیا تھا کہ اس نے اپنی بچی کی شادی کسی شخص سے کردی جو بعد میں قادیانی ہوگیا۔ بچی کے والد نے کہا کہ قادیانی کافر ہے اگر وہ کافر ہے تو نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اگر وہ مسلمان ہے تو نکاح قائم ہے یوں یہ مقدمہ معروف ہوا اس میں پوری قادیانی جماعت نے زور لگایا اور برصغیر کے مسلمانوں کے چوٹی کے علماء شریک ہوئے یہ وہ دور تھا جب مسلمان ریاستوں کے حاکم اور امیر ملکہ برطانیہ کے دربار میں بیٹھتے اور ان کی تقریبات میں شمولیت کے لئے انگلستان جاتے تھے ایسی ہی ایک تقریب میں شرکت کے لئے بہاولپور کے امیر برطانیہ تشریف لے گئے شاہی دربار میں ملکہ برطانیہ نے انہیں ذاتی طور پر ہدایت کی کہ اپنے جج سے کہیں کہ وہ یہ مقدمہ خارج کردے اور اس کا کوئی فیصلہ نہ دے۔ وہ جب برطانیہ سے واپس بہاولپور پہنچے تو سیدھے جج کے گھر گئے اور اسے فرمایا کہ تمہارے پاس تنسیخ نکاح کا ایک مقدمہ ہے اور مجھے ملکہ برطانیہ نے ذاتی طور پر کہا ہے کہ میں اپنے جج سے کہوں کہ اس مقدمے کا فیصلہ نہ کرے بلکہ اسے ختم کردے لیکن میں مسلمان پہلے ہوں اور حکمران بعد میں۔ تمہاری عدالت شرعی احکام کی پابند ہے برطانوی قانون کی پابند نہیں ہے لہٰذا تمہیں فیصلہ اسلام کے قانون کے مطابق ہی کرنا ہے کہ کیا قادیانی مرتد ہے یا محض نافرمان؟ بیرون ملک سے جو دباؤ آئے گا وہ مجھ پر ہی آئے گا۔ اندرون ملک تمہاری حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اس کا انتظام میں نے کردیا ہے یہ ضروری نہیں کہ تمہاری حفاظت کے لئے مسلح پہرے دار ہی نظر آئیں گے بلکہ تمہاری حفاظت پر مامور لوگ غیر روایتی طریقے سے کام کریں گے لہٰذا تم اپنے تحفظ کی طرف سے بےفکر رہو۔ تم فیصلہ کرنے میں آزاد ہو مجھے اور تمہیں کل اللہ کے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا اُس لمحے کو سامنے رکھ کر اس مقدمے کا فیصلہ کرو۔ یہ مقدمہ بڑا معرکتہ الآرا تھا اور بہت معروف ہوا اس میں قادیانیوں کی طرف سے چوٹی کے قانون دان اور پڑھے لکھے لوگ پیش ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے اہل دیوبند کے مشہور علماء اور سید انور علی شاہ کشمیری، جیسی نابغہ روزگار ہستیاں دیوبند سے بہاولپور آکر مقدمے کی تیاری میں مددگار ومعاون ہوئیں اور علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس مقدمے کی کارروائی نے اتنا طول پکڑا کہ وہ قادیانی مرگیا اور مقدمے کا فیصلہ اس کی موت کے بعد ہوا کہ وہ قادیانی تھا اور قادیانی خارج از اسلام ہیں مرتد ہیں مرتد کا نکاح باقی نہیں رہتا لہٰذا اس کا نکاح باقی نہ رہا تھا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ ہر عہد میں اسلام نافذ رہا یہاں تک کہ برطانوی دور اقتدار میں مسلم ریاستوں میں اسلام کے قوانین ہی نافذ رہے اگرچہ وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں لیکن قوانین پر کوئی غیر حکومت اثرانداز نہ ہوسکتی تھی۔ تاریخ میں ایک اور مثال شمس الدین التمش کی ہے سب جانتے ہیں کہ تاتاری تمام اسلامی سلطنتوں کو تاراج کرتا رہا شمال کی اسلامی ریاستوں کو تباہ و برباد کرکے پشاور کو روندتا ہوا ہلاکو جب اٹک پر پہنچا تو اس نے اٹک کے دریا کے کنارے اپنے سپاہیوں کو روک لیا اس وقت دہلی کی سلطنت کی حدود اٹک تک پھیلی ہوئی تھیں اور دہلی پر التمش حکمران تھا اور وہ تاتاری جو ایک دنیا کو روندتے ہوئے آرہے تھے وہ اٹک کی سرحد پر کیوں رُک گئے اور ہلاکو نے کیا کہا؟ اس نے کہا دریا کے اس کنارے تیرنہ

چلانا ورنہ التتمش وہ جواب دے گا کہ ہم برداشت نہ کر سکیں گے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ دہلی پر اسلامی حکومت تھی اس میں عدالتیں اسلامی تھیں قانون اسلامی تھا جتنا مواخذہ عام آدمی کا ہوتا اتنا ہی مواخذہ حکمرانوں کا بھی ہوتا تھا عام آدمی کے فرائض تھے تو سلطان کے اپنے فرائض تھے سرکاری ملازمین کے اپنے فرائض تھے جو کوئی بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کرتا یا دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرتا تو اس کا مواخذہ عین شریعت کے مطابق ہوتا۔ اسلام کا نظام عدل پورے معاشرے کے لئے یکساں ہے اور یہ کہیں نہ کہیں ہر عہد میں نافذ رہا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں اور خصوصاً مسلمانان پاکستان کے لئے ایک امر قابل غور ہے کہ برطانوی حکومت نے ''تعزیرات ہند'' کے نام سے جو قوانین مدون کر کے اپنی رعایا کے لئے بنائے یعنی اپنے غلاموں کے لئے بنائے۔ برطانوی عہد میں اگر کسی برطانوی شہری پر مقدمہ قائم ہوتا تو اس کا مقدمہ برطانیہ کی آزاد عدالت میں قائم ہوتا وہ شخص برطانیہ جاتا اور وہاں کی عدالت میں انکے آزاد قوانین کی روشنی میں فیصلہ سنایا جاتا اور مسلمانوں کے لئے ''محمڈن لاء'' بنایا گیا جو اس لئے تھا کہ برصغیر کی نو آبادی میں غلاموں کو انصاف کیسے مہیا کیا جائے۔

لیکن یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ برطانوی استعمار کے ختم ہو جانے کے بعد بھی پاکستان میں قوانین وہی ہیں جو انگریز نے غلاموں کے لئے ترتیب دیئے تھے انہی تعزیرات ہند کو تعزیرات پاکستان بنا کر وہی قوانین اور وہی دفعات برقرار رکھی گئیں جو 1836ء میں بنائی گئیں آج پاکستان میں عدالت کسی کو سزائے موت دیتی ہے تو عدالت لکھتی ہے یہ فیصلہ زیر دفعہ 302 تعزیرات پاکستان مجریہ 1836 کیا گیا ہے۔ قابل حیرت بات ہے کہ پاکستان 1947ء میں بنا اور اسکے قوانین کا اجراء 1836ء میں ہوا میں نے یہی سوال وکلاء اور ہائی کورٹ کے ججز اور پنجاب میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے بھی کیا کہ پاکستان تو 1947ء میں بنا اور آپ مجرم کو سزائے موت دیتے وقت حوالہ دیتے ہیں 1836ء کا تو سوائے کھسیانے کے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

اسلامی عدالت اور برطانیہ کی بنائی ہوئی غلامانہ عدالت میں بنیادی فرق روح عدل کو قائم کرنا ہے مثلاً تعزیرات ہند کے تحت دی جانے والی سزاؤں کے مقدمے میں قتل کا کیس سیشن جج کے پاس جاتا ہے ہے وکلاء کی جرح سن کر ثبوت وشواہد کی موجودگی میں قاتل کو سزائے موت دے دی جاتی ہے لیکن پھر وہ مقدمہ ہائی کورٹ لے جایا جاتا ہے ہائی کورٹ اپنی کارروائی کے بعد فیصلہ دیتا ہے کہ شواہد وحقائق کو ثابت کرنے کے لئے جو شہادتیں دی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں اس لئے قتل کے ملزم کو بری کر دیا جائے۔ لیکن اسلامی عدالت میں یہ فرق ہوگا کہ عدالتیں بھی اسلامی قوانین ہی کو نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوں گی اور اگر ماتحت عدالت سے اعلیٰ عدالت تک معاملہ جائے اور ماتحت عدالت کی نااہلی کے باعث کسی کو سزائے موت کی سفارش کی گئی ہو تو ماتحت عدالت اعلیٰ عدالت کے سامنے جوابدہ ہوگی کہ اگر ماتحت عدالت نے تساہل سے کام لیا یا غلط تجزیہ کیا تو پھر عدالت کے جج صاحب بھی ماخوذ ہوں گے اور اگر کسی نے بددیانتی کی اور رشوت لیکر غلط فیصلہ کیا تو پھر اسے برطرف بھی کیا جائے گا اور اس جرم کی پاداش میں مقدمہ بھی قائم کیا جائے گا۔ اسلام نے نظام عدل کو قاضی کے سامنے جوابدہ بنایا ہے۔ نو آبادیاتی نظام قانون کی طرح اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا کہ جسے چاہے لٹکا دے اور جسے چاہے چھوڑ دے۔ اسلام کے نظام عدل کی یہ ہلکی سی جھلک ہے جس میں خود حکمران کا بھی مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور ملک میں جس حالت کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے اور لوگ بے گناہ مارے جا رہے ہیں اس کا علاج یہ ہے

کہ عدل کیا جائے اگر شریعت کے مطابق عدل فراہم کیا جائے تو دہشت گردی نہیں ہوتی ہر بندے کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے کوئی زیادتی کی ہے تو عدالت ہے اسے انصاف مل جائے گا یہی اسلام نظام کی خوبی ہے اور نظام عدل کی بنیادی بات ہی یہ ہے کہ کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں اور جہاں بھی جو غلطی کرتا ہے اس کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے لہذا یہ ایک پراپیگنڈہ ہے کہ اسلامی نظام خلافت راشدہ کے بعد کسی زمانے میں قائم نہ رہا یہ بات اسلامی تاریخ سے ناآشنائی کا پتہ دیتی ہے اور یہودیوں کے اس پراپیگنڈے کے زیر اثر ہمارے دانشور بھی یہ بات دہراتے رہتے ہیں اور بارہا کہتے نظر آتے ہیں کہ حکمرانوں سلاطین اور اُمراء میں ہمیشہ سارے لوگ نیک نہیں رہے۔ لیکن یہ تو ایک حقیقت ہے کہ معاشرے میں کبھی بھی سارے لوگ نیک نہیں ہوتے کیا علماء میں سارے ہی مخلص ہوتے ہیں؟ مدرسین بھی کیا سب ہی مخلصین ہوتے ہیں کیا تمام عوام مخلص ہی ہوتے ہیں؟ نہیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں وہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن میں کمزوریاں ہوتی ہیں اسی طرح حکمرانوں کا بھی ایک طبقہ ہے جن میں اچھے لوگ بھی تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جن میں کمزوریاں تھیں۔ انہوں نے اپنی کمزوریوں کا خمیازہ بھی بھگتا ہے انکی حکومت بھی تباہ ہوئی اور وہ لوگوں میں رسوا بھی ہوئے انہی میں سے بعض ایسے گزرے ہیں جنہوں نے دنیا کو آباد بھی کیا اور انکے انصاف کا دور دورہ ہوا برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ ۷۰۰ سال پہلے پورے برصغیر پر مسلمانوں نے بلا شرکت غیرے حکومت کی اور مسلمانوں ہی کو نہیں غیر مسلموں کو بھی تحفظ دیا گیا انہیں بھی اسلامی امن کا گہوارہ نصیب ہوا اور یہ آسان نہیں تھا اس کو ممکن بنانے کے لئے مخلص مسلمان اور اسلام کا نظام عدل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسلام کے اصول تمام انسانیت اور ہر عہد کے لئے ہیں یہ اصول ایسے نہیں ہیں کہ پرانے ہو جائیں وہ ہر عہد میں زندہ ہیں اور ہر عہد کی ضرورت ہیں یہ ہماری ضرورت ہے کہ ہم انہیں سمجھنے کی کوشش کریں اور اللہ توفیق دے اُن پر عمل کریں عام آدمی سے لیکر حکمران تک اللہ کریم اس کی توفیق دیں تو وہی بہار پھر سے چمن میں آ سکتی ہے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

..........☆☆☆..........

”حضرت جی کے حضور“

کس نے انداز محبت کے سکھائے اس کو
حسن مشتاق ہوا تھا کہ لبھائے اس کو

سجدہء شوق ذرا اور بھی لمبا کر دے
کیا خبر تیری ادا تجھ سے ملائے اس کو

جب بھی ملتا ہے نئے درد عطا کرتا ہے
ہم نے ہر بار نئے زخم دکھائے اس کو

سلسلہ آنکھ مچولی کا مسلسل برپا
ڈھونڈنے والا کوئی ڈھونڈ نہ پائے اس کو

رات عشاق کے جھرمٹ میں بہت شاد تھا وہ
ہم نے بھی درد محبت کے سنائے اس کو

.........محمد منیر ایاز، خوشاب

حج کا حاصل ....!

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج کا حاصل بھی یہی ہے جو تمام عبادات کا حاصل ہے کہ بندے کا تعلق رب کریم کے ساتھ مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اُسے حضوری حق نصیب ہو جائے۔ ہمہ وقت اپنے پروردگار کو حاضر سمجھے۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے ہم نے اپنی کسی کوشش، کاوش یا عبادت ودعا سے اللہ کریم کو بلانا نہیں ہے وہ فرماتا ہے" وھو معکم اینما کنتم" تم کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، تو پھر یہ حضوری حق کے لئے محنت کیا معنی رکھتی ہے؟ حضوری حق سے مراد یہ ہے کہ ہمیں بھی اس کا ادراک ہو۔ اللہ تو موجود ہے ہم اس سے غائب ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ احساس بھٹک جاتا ہے کہ اللہ موجود ہے یا یہ احساس مر جاتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ حج ادا کرنے سے صرف حاجی کہلانا مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان کو قرب الٰہی نصیب ہو تو وہ بالکل بدل جائے۔ جب وہ سوچے تو اُسے احساس ہو کہ میرا اللہ میرے پاس ہے بولنے لگے تو یہ احساس ہو کہ میرا اللہ سن رہا ہے کوئی کام کرنے لگے تو اُسے پتہ ہو کہ میرا اللہ میری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ یہ احساس اگر کسی کو نصیب ہو جائے یہ شعور بیدار ہو جائے تو وہ کتنا بھلا انسان بن جائے گا!

اگر کسی کو حرم کی حاضری نصیب ہوتی ہے ایمان کے ساتھ بیت اللہ شریف تک رسائی نصیب ہوتی ہے تو یہ اللہ کا ایک کرم ہے اور بندہ وہاں پہنچ کر سستی کرتا ہے کوتاہی کرتا ہے اور جو احساس نصیب ہونا تھا کہ اللہ بہت بڑا ہے اور بندہ اس کی عاجز مخلوق ہے وہ اُسے حاصل نہیں ہوتا اور اس کے بجائے وہ اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے اُسے اپنے پارسا ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو یہ کام بالکل ہی بدل گیا۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سفر ہر حال میں مبارک ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر سفر حج میں بھی اور ارکان حج کی ادائیگی میں بھی لاپرواہی اور کوتاہی کو اختیار کیا تو یہی بات غضب الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ بیت اللہ کی ایک نماز جہاں ایک لاکھ کا ثواب پاتی ہے وہاں کی نماز کو چھوڑ دینا گویا ایک لاکھ کو ضائع کرنا ہے۔

حج کی تمام منزلوں پر اللہ کریم بار بار اپنی طرف متوجہ ہونے اپنی رضا کو حاصل کرنے کی طرف رغبت دلاتے ہیں، کبھی فرمایا اللہ کے لئے حج اور عمرہ کرو، کبھی فرمایا عرفات سے لوٹو تو شعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو جیسا تمہیں بتلایا گیا ہے۔ قرآن کے اس حکم کما ھدا کم جس طرح تمہیں ہدایت کی گئی ہے، سے یہ واضح ہوا کہ کوئی عبادت اور طریقہ عبادت اس وقت تک مقبول نہیں، جب تک اس کی سند سنت رسول ﷺ سے حاصل نہ ہو۔

عبادات میں بھی اور عام معاشرت میں بھی کوئی شخص کبھی اپنے لئے امتیازی صورتحال اختیار نہ کرے کہ اس سے نفرت اور باہمی دشمنی پیدا

ہوگی اور مل کر رہنے سے باہمی اخوت اور محبت۔ لہٰذا سب کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنی کوئی امتیازی شان نہ چاہو بلکہ اللہ سے استغفار چاہتے رہو۔

"فاذ کرو اللہ"

جب ارکان حج پورے کر چکو تو اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ مصروفیت کے دن ہوں یا فراغت کے۔ سفر ہو یا قیام حج ہو یا عید کوئی دن کوئی لمحہ یا کوئی حال ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو' یعنی تمام عبادات کا حاصل یہ ہے کہ بندے کا یہ شعور بیدار ہو جائے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔ ذکر کیا ہے' جس کا حکم اللہ دے رہے ہیں "فاذ کرو اللّٰہ" اللہ کو یاد رکھنا ہی اللہ کا ذکر ہے' جس کام کے کرنے میں اللہ کی رضا مقصود ہو وہ کام عملی ذکر ہے' جب ہم زبان سے نیک بات کہتے ہیں' تلاوت قرآن کرتے ہیں' درود شریف پڑھتے ہیں، بھلا مشورہ دیتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں، یہ سب لسانی ذکر ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی یاد دل میں رچ بس جائے اور یہ مقصد حیات ہے کہ دل میں اللہ کی یاد اس طرح بس جائے کہ موت آجائے زندگی منقطع ہو جائے لیکن یادِ الٰہی منقطع نہ ہو۔ یہ انہیں نصیب ہوتا ہے جو ساری زندگی اللہ کی یاد دل میں بسائے رکھتے ہیں وہ دل ایسا آباد ہو جاتا ہے کہ اُسے موت بھی ویران نہیں کر سکتی۔ موت بھی انہی دلوں کو ویران کرتی ہے جو زندگی میں ویران ہوتے ہیں۔ ایسے دل جو زندگی میں یاد الٰہی سے محروم ہوتے ہیں، انہیں موت اس طرح ویران کرتی ہے کہ زندگی میں حیات جسمانی کا رشتہ تھا، موت وہ رشتہ کاٹ دیتی ہے لیکن جو دل زندگی میں یاد الٰہی کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ انہیں زندگی میں حضور حق نصیب رہتا ہے۔ موت اُن سے یہ حضور حق نہیں چھین سکتی۔ موت انہیں اللہ کی یاد سے جدا نہیں کر سکتی۔ حج کا حاصل یہی احساس تشکر ہے کہ اللہ نے حضور نبی رحمت ﷺ کو مبعوث فرما کر یہ احساس فرمایا کہ بندوں کو ہدایت آشنا کر دیا لہٰذا اللہ کا ذکر کرو۔

حج افضل ترین عبادت ہے اس میں ذکر و فکر شکر و احسان مجاہدہ وامتحان سب کچھ موجود ہے اور اگر حج میں بھی کسی کا مقصد اور نیت یہی رہی کہ لوگ میرا احترام کریں مجھے دنیا میں بہت سی دولت مل جائے یعنی مقصد حصول دنیا ہی ہو تو وہ ایسا محروم ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو حج سے حضورِ حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ہوتے وہ بھی انسان ہی ہیں۔ انسان محتاج ہے' اس کی ضروریات ہیں' لیکن وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی ساری ضروریات اللہ کریم نے ہی پوری کرنی ہیں تو وہ اللہ سے ایسی دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ دنیا میں بھی ہم پر رحم فرما بھلائی عطا فرما آخرت میں بھی ہم پر رحمت فرما، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔ ایسے لوگ دونوں جہانوں میں اپنی محنت کا بہت بڑا صلہ پاتے ہیں یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کا نظام بہت مضبوط ہے، انسان جو کرتا ہے اس پر اللہ کی گہری نظر ہے اور اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔

بڑا عجیب نظام ہے رب العالمین کا انسان کی سمجھ اور اس کی دانش کا قصور ہے ورنہ بُرائی کی تکلیف اور دکھ دنیا میں بھی نقد ملتا ہے۔ آدمی جب غلط کاری کرتا ہے یا اللہ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے اور حکمت الٰہی کو نہیں سمجھتا تو دنیا میں بھی اس کی سانسیں اس کے لئے عذاب بن جاتی ہیں اس کے دل کو سکون نہیں ملتا اس کے دل پر آخرت کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ اگر آخرت میں اپنے لئے جہنم خرید رہا ہوتا ہے تو اس کی تپش یہاں دنیا میں بھی اس کے دل کو پہنچتی رہتی

ہے۔ اسے سکون نصیب نہیں ہوتا اور نیکی کرتا ہے تو آخرت میں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور دنیا میں بھی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے دنیا میں بھی اس کی ٹھنڈک اور خوشبو اُسے نصیب رہتی ہے۔

اللہ نقد درنقد حساب کرتا ہے' ادائیگی فوراً ہوتی ہے جو کچھ بندہ کرتا چلا جاتا ہے اس کی ادائیگی اُسے ہوتی چلی جاتی ہے نیکی کی ادائیگی سکون ہے' بندہ اطمینان سے جیتا ہے۔ بُرائی بے سکونی پہنچاتی ہے لوگ دکھوں کو بھلانے کے لئے نشے کرتے ہیں جب ہوش میں آتے ہیں دکھ کئی گنا بڑھ چکے ہوتے ہیں۔ پہلے ایک دکھ تھا پھر مال ضائع کرنے کا دکھ' آبرو ضائع ہونے کا دکھ اور بڑھ جاتا ہے اور اگر اللہ کی اطاعت کی جائے' آخرت کا دھیان رکھا جائے اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ دنیا بھی اچھی عطا کر اور آخرت بھی بہترین عطا فرما تو اللہ دونوں جہانوں کی بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔

حج میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہیں اللہ سے تعلق مضبوط کرنا ہے اللہ سے رشتہ استوار کرنا ہے حضورِ حق کو دل میں جاگزیں کرنا ہے پھر حج کے بعد کہیں بھی جاؤ تو تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ ہو تنہا ہو یا مجلس میں ہو ہر وقت تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ یہی حج کا حاصل ہے اسی پر خاتمہ بالایمان نصیب ہوگا۔ اسی سے قبر روشن ہوگی اسی سے برزخ روشن ہوگا اسی سے حشر کے دن عزت نصیب ہوگی۔ آگ سے بچاؤ نصیب ہوگا اور اگر محض رسمیں ادا کرتے رہے اور حضورِ حق نصیب نہ ہوا تو کتنا بدنصیب ہے وہ شخص جو حج کا سفر کر کے حرم سے ہو کر پھر بھی محروم رہے۔ لہٰذا اللہ کی نسبت کو زندہ رکھو اور یہ بات یاد رکھو کہ واپس مڑ کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ تم ہزار تبدیلیوں سے گزرو' ہزار انقلاب سے گزرو' بچپن' جوانی' بڑھاپا' دولت کما کر' عہدے پا کر یا مفلسی و غریبی میں گزرے' لیکن بعد موت ہواؤں میں بکھر جاؤ یا زمین میں منتشر ہو جاؤ واپس بارگاہ الوہیت میں حاضر ہونا ہے۔

قرآن حکیم نے حج کا مقصد حضورِ حق کا شعور بتایا ہے۔ قرآن کا مقصد محض باتیں کرنا نہیں ہے انسان کی اصلاح کرنا ہے اسے اللہ کی ناراضگی سے بچانا ہے۔ اس لئے یہ ہر عبادت کو اور زندگی کے ہر پہلو کو اتنی خوبصورتی سے زیر بحث لاتا ہے کہ آدمی کو کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔ حج رسم نہیں ہے اس کے احکام کو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور سننا چاہیے۔

حج کے جملہ احکام کیفیات قلبی سے متعلق ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حج سے فارغ ہو کر آنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر آتا ہے جیسے وہ آج پیدا ہوا تھا۔ اس حدیث کے آئینے میں حاجی کو دیکھنا ہے کہ اسے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوئی ہے تو دل گناہوں سے متنفر ہو جائے گا۔ ہاتھ پاؤں اللہ کی نافرمانی سے رُکیں گے کہ دورانِ حج بھی تو ہر مقدس مقام پر اس نے گذشتہ سے معافی مانگی اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔

قبولیت حج کی دلیل یہی ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور آخرت کی رغبت پیدا ہو جائے۔

اللہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے توبہ قبول فرمائے نیک انجام میسر فرمائے۔ اللہ حج بھی نصیب کرے اور فرائض کی ادائیگی بھی نصیب ہو اور ضروری یہ ہے کہ ان سب عبادات کا حاصل حضورِ حق نصیب ہو' اللہ کریم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

جزا و سزا دنیا اور آخرت دونوں میں ہے

رب العالمین کا بڑا عجیب نظام ہے انسان کی سمجھ اور اس کی دانش کا قصور ہے ورنہ بُرائی کی تکلیف اور دکھ دنیا میں بھی محسوس ہوتا ہے اور انسان کی سانسیں اس کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اس کے دل کو سکون نہیں ملتا' اس کے دل پر آخرت کا پرتو پڑتا ہے اور اگر آخرت میں وہ اپنے لئے جہنم خرید رہا ہے تو اس کی تپش یہاں دنیا میں بھی اس کے دل کو پہنچتی رہتی ہے' اسے سکون نصیب نہیں ہوتا۔ اگر نیکی کرتا ہے تو آخرت میں بھی درجات بلند ہوتے ہیں اور یہاں بھی اسے سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کی ٹھنڈک اور اس کی خوشبو اسے نصیب ہوتی رہتی ہے۔

ماخوذ از ''اکرم التفاسیر''

تعاون

تاجران کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

شیخ ناصر' شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

قربانی رسم نہیں انعام ہے!

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 17-10-2006

الحمدللّٰہ رب العلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم o

کائنات بسیط اللہ کریم کی تخلیق ہے اور روئے زمین پر جو کچھ بھی ہے اللہ کریم نے اپنے بندوں کیلئے پیدا فرمایا ہے وخلقکم ما فی الارض جمیعاً زمین پر جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے یہ تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کیلئے تمہاری خدمت کیلئے ہے تمہارے استعمال کیلئے ہے اس کے باوجود اللہ ہی کی دی ہوئی نعمتوں میں سے جب کچھ اللہ کی راہ میں دیا جاتا ہے تو اسے اللہ کریم قربانی کے طور پر قبول کرتے ہیں اگرچہ بندہ اپنے پاس سے تو کچھ نہیں دیتا تو اسلام اول و آخر قربانی ہی ہے کہ بندہ اپنی خواہشیں قربان کرتا ہے، اپنے جذبات قربان کرتا ہے، اپنی لاشعوری محبتیں اُس شعوری محبت پر قربان کرتا ہے جو اللہ و اللہ کے رسول سے اُسے ہوتی ہے اور جو تعلق اللہ و اللہ کے حبیب ﷺ سے ہوتا ہے اُس پر اپنی خواہشات کی قربانی دیتا ہے۔ اپنی ضرورتوں کی قربانی دیتا ہے اپنی پیاری چیزوں کی پسندیدہ چیزوں کی قربانی دیتا ہے۔

قربانی کی ایک مثال اسلام میں ایسی تاریخی ہے کہ جسے اللہ نے یوم عید مقرر کر دیا۔ رمضان المبارک کی تکمیل پہ جس طرح عیدالفطر ہوتی ہے اسی طرح دوسری عید قربانی کی عید ہے جو دس ذوالحجہ کو ہوتی ہے اور اُسکی بنیاد ایک عظیم قربانی پر ہے دین برحق قربانیوں ہی کی تاریخ سے مزین ہے اسلامی سال بھی محرم سے شروع ہو کر ذوالحج پہ ختم ہوتا ہے۔ ابتدا بھی قربانی سے ہے انتہا بھی قربانی پر ہے زندگی کا ہر لمحہ اور یہ بھی اللہ کی عطا ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے جب کچھ حصہ اُس کے نام پر دیتے ہیں تو اُسے بطور قربانی قبول فرمالیتا ہے اور ایک قربانی ایسی عظیم ہے جسے اللہ کریم نے یوم عید کے طور پر خوشی کے دن کے طور پر مبارک دن کے طور پر منانے کا حکم دیا ہے اور عیدالفطر کی طرح اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے نماز عید پڑھی جاتی ہے۔ اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، خوشبو لگائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اچھے کھانے پکائے جاتے ہیں تو اسکی بنیاد یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری عمر میں اولاد نصیب ہوئی آپ کی عمر ضعف پیری کو پہنچ چکی تھی اور ساری عمر اولاد نہیں تھی تو جب یہ بشارت دی فرشتوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کیلئے آئے تھے قرآن کریم میں سارا واقعہ موجود ہے تو آپ کی اہلیہ نے منہ پر ہاتھ رکھکر کہا تھا حیرت سے ءَالدو انا عجوز وھذا بعلی شیخا o میں اور مجھ سے اولاد پیدا ہوگی جو بوڑھی ہو چکی ہوں اور ساری عمر مجھ سے اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ ھذا بعلی شیخا اور میرے خاوند جو ہیں یہ ضعف پیری کو پہنچ چکے ہیں۔ تو اُن فرشتوں نے عرض کیا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اتعجبین من

امر اللہ۔ تمہیں اللہ کے حکم پر حیرت ہو رہی ہے اللہ قادر ہے وہ جیسا چاہے کرے چنانچہ آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا ہوئے جنکی پیشانی پر نور نبوت چمک رہا تھا صرف اُن کا اپنا نور رسالت ہی نہیں بلکہ وہ نور محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے امین بھی تھے آپؑ انکی پشت مبارک ہی سے پیدا ہوئے اور اللہ کے عجیب امتحان ہیں جب پیدا ہوئے تو حکم ہوا کہ اہلیہ کو اور اس نو مولود بچے کو بیت اللہ میں چھوڑ آئیں اللہ کا وہ گھر جو آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ نے تعمیر کیا تھا وہ جگہ جو مہبط تجلیات الٰہی ہے وہ جگہ جو زمین و آسمان اور کائنات کا مرکز و محور ہے وہ جگہ جو تخلیق کی گئی اور پھر وہاں سے زمین پھیلائی گئی وہاں اللہ کریم کی ذاتی تجلیات ہر آن برستی ہیں۔ اسی لئے اُسے مسلمانوں کا قبلہ بنایا گیا اور روئے زمین کے مسلمان یکجہتی کیلئے اسکی طرف اُس سمت کو منہ کر کے سجدے کریں۔ بیت اللہ کو سجدے پتھروں کو سجدے کوئی نہیں کرتا سجدے اللہ کو کیے جاتے ہیں چونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے تو ایک عجیب بات ہوتی کوئی کسی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا کوئی کسی طرف کرے تو اسلام سب سے پہلے تنظیم کو اہمیت دیتا ہے چنانچہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کیلئے انہیں ایک برادری ایک اخوت ایک گھر کے افراد اور ایک قوم کے افراد میں پرونے کے لئے روئے زمین کے مسلمانوں کو ایک قبلہ عطا کر دیا جہاں پر حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا اور اُس میں حجر اسود جنت سے لایا ہوا پتھر نصب فرمایا۔ طوفان نوح علیہ السلام جب آیا تو بیت اللہ بھی مسمار ہو گیا اور حجر اسود اللہ نے وہ پتھر بھی محفوظ رکھے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہی پتھروں سے وہاں جا کر بیت اللہ شریف تعمیر کریں لیکن پہلے اس نو مولود بچے کو اور اہلیہ کو وہاں چھوڑ آئیں آپ تعمیل ارشاد میں بیوی اور بچے کو وہاں چھوڑ آئے یہ بڑے لمبے واقعات میں حضرت ہاجرہؓ خاتون تھیں اور جنہیں اللہ پر عظیم اعتماد تھا رفاقت کا حق ادا کیا ساری عمر ابراہیم علیہ السلام کا اور جب آپ چھوڑ کر چلے تو کچھ تھوڑی سی خوراک تھی اور ایک مشکیزہ پانی کا تھا اور ویران جنگل تھا جہاں کوئی پرندہ بھی نظر نہیں آتا تھا کہ صحرا میں جہاں پانی ہو وہاں حیات ہوتی ہے پرندے بھی نظر آتے ہیں حیوان بھی نظر آتے ہیں جہاں کوئی پانی نہ ہو وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آتا تو یہ ایک ایسی ویران جگہ تھی سیاہ پہاڑ سیاہ پوش جن پر بہت کم روئیدگی ہوتی ہے اور کوئی قابل ذکر درخت نہیں تھے کہیں کوئی چشمہ نہیں، کوئی حیات نہیں تو آپ نے پوچھا کہ ہمیں یہاں کس کے آسرے چھوڑ کر جا رہے ہو تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کا حکم ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو ہمیں اللہ کافی ہے آپ اطمینان سے تشریف لے جایئے پھر وہ واقعہ پیش آیا' آب زم زم کے نکلنے کا مائی صاحبہ کے مقام کی عظمت کو دیکھیئے کہ آپ بے قرار ہو کر صفا و مروہ پر پانی کی تلاش میں دوڑیں تو ہر حاجی کیلئے حج کے رکن کے طور پر اللہ نے صفا و مروہ پر دوڑنا حج کا رکن بنا دیا قیامت تک جو بھی وہاں حج اور عمرے کے لئے جاتا ہے وہاں دوڑتا ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے بھی صفا و مروہ کی سعی فرمائی وہاں زمزم شریف نکلا اللہ نے چشمہ پیدا فرما دیا جو ابھی تک جاری ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا اور بیشمار بے حساب پانی جو روزانہ وہاں سے نکالا جاتا ہے اُس میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی اور اُس میں برکت رکھ دی اللہ نے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس میں ہر بیماری کی شفا موجود ہے۔ جب زم زم شریف نکل آیا تو کچھ پرندے بھی نظر آنے لگے ایک ساتھ سے گزرتے قبیلے نے پرندوں کو دیکھا تو اُس طرف پلٹے تو دیکھا وہاں پانی ہے مائی صاحبہ سے اجازت لے کر وہاں انہوں نے رہائش کی تو یوں مکہ مکرمہ کی بنیاد پڑی ایک آبادی بننے لگی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے فلما

بلغ معا جب اس عمر کو پہنچے کہ باپ کے ساتھ بھاگتے دوڑتے کبھی بچہ جس طرح کبھی آگے نکل جاتا ہے پیچھے رہ جاتا ہے تو چار سال بھی ہو سکتی ہے پانچ سال بھی ہو سکتی ہے جب اس عمر کو پہنچے تو ایک خواب دیکھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہ آپ اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں آپ بے قرار ہو کر وہاں اُن کے پاس پہنچے مائی صاحبہ سے فرمایا کہ اسماعیل کو تیار کرو انہیں اچھے کپڑے پہناؤ۔ نہلا دھلا کر تیار کرو کہ میں انہیں اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا ہوں چنانچہ انہیں ساتھ لے کر آپ نکلے میدان میں پہنچے جہاں قربانی کی جاتی ہے تو اب تو وہاں پر وہ مشینیں لگا دی گئیں ہیں قربانی کرنے کے لئے مذبح خانے بنا دیئے گئے ہیں جو مشینوں پر چلتے ہیں ۱۹۷۰ء کے شروع میں جب اللہ کریم ہمیں وہاں لے گیا تو اُس وقت تک وہ چٹانیں موجود تھیں جہاں اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی گئی وہ جگہ خالی تھی ہم نے اُسکی زیارت بھی کی حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اب اُس جگہ مذبح خانے تعمیر ہو گئے ہیں تو بہر حال جب آپ منٰی میں پہنچے تو آپ نے اُس ننھے بچے سے بات کی یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ وحی الٰہی کو جیسے وصول اللہ کا نبی اور رسول کرتا ہے اسی طرح اسکا مفہوم بھی نبی اور رسول ہی سمجھتا ہے غیر نبی کو نبی ہی سمجھاتا ہے کہ اسکا مفہوم کیا ہے اپنے زور کلام سے یا زور علم سے اُسکا مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔

لتبین النـاس مـانزل علیھم یہ بھی آپ کی عظمت آپ کے فرائض میں ہے کہ لوگوں کو یہ بیان فرمائیں کہ جو انکی طرف نازل ہوا ہے اُس سے مراد کیا ہے حضرت خلیل اللہ نے مائی صاحبہ کی ساری عظمت کے باوجود مائی صاحبہ سے بات نہیں کی اسلیئے کہ مائی صاحبہ نبی نہیں تھیں کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی لیکن وہ کم سن بچہ جو ساتھ تھا وہ اللہ کا نبی اور رسول تھا اُس سے بات کی آپ نے کہ بیٹا انی اری فی المنام انی میں نے خواب دیکھا اور وہ خواب یہ ہے کہ میں آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں۔ فانظر اس میں آپ کا کیا مشورہ ہے آپ کیا کہتے ہو؟ تو وہ ننھا معصوم جو تھا وہ بولا یابت فعل ماتو مرا الفاظ پر غور فرمایئے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے جو خواب دیکھا ہے کرو انہوں نے فرمایا یا بت فعل ماتو مرا اباجی آپ وہ کام پورا کریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے یعنی اُن کے ارشاد کا معنی یہ تھا کہ نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے آپ اللہ کے خلیل ہیں آپ کا خواب محض خواب نہیں ہے آپ کو حکم دیا جارہا ہے اب رہی بات کہ میں کم سن ہوں میں چھوٹا ہوں میں بچہ ہوں میں ننھا ہوں' میں دوڑ جاؤں گا میں شور مچاؤں گا۔ میں بھاگ پڑوں گا۔ ستجــدونــی انشاء اللہ من الصابرین تو میں بھی اللہ کا رسول اور نبی ہوں آپ گھبرایئے نہیں مجھے بھی آپ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں بڑی خوشی سے گردن کٹانے کیلئے تیار ہوں جس طرح آپ کو گردن کاٹنے کا حکم ملا ہے مجھے اس طرح بھی گردن کٹوانے کا حکم اور پیغام مل رہا ہے۔ چنانچہ آپ چھری بہت تیز کر کے ساتھ لائے تھے اپنے تیاری کی۔ خصوصیات بشریت اور انسانی خصوصیات انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام میں بھی ہوتی ہیں آپ نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی بچے کی آنکھوں پہ بھی پٹی باندھ دی کہ یہ چھری دیکھ کر پریشان نہ ہو اپنی چشم ہائے مبارک پر بھی کپڑا باندھ دیا کہیں شفقت پدری جوش میں آ کر ہاتھ نہ روک دے بچے کو قبلہ رو لٹا کر آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر چھری چلا دی۔

سیدنا خلیل اللہ نے چھری چلائی' چھری نے گردن کاٹ دی خون کے فوارے بہہ نکلے جسم تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا تو انہیں تسلی ہوگئی کہ قربانی ہو گئی لیکن جب آپ نے آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ جی دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ یہ وہی

ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے بارے قرآن کریم فرماتا ہے ۔

وکذلک وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰت والارض. ہم نے آسمانوں اور زمینوں کے خزانے کھول کر ابراہیم کے سامنے رکھ دیئے دکھا دیئے کیا آسمانوں میں ہے بتا دیا کہ کچھ آسمانوں میں کیا ہے زمینوں میں کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ اللہ مجھے دکھا دے مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا تو فرمایا ان چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت ملا جلا کر دور دور پہاڑوں پر پھینک دو اور انہیں پھر بلاؤ آپ نے ایک ایک کو بلایا تو ایک ایک کا پرزہ گوشت کا خون کا پروں کے ریزے ریزے اُڑ کر آتے تھے آپ کے سامنے زندہ سلامت پرندے بن گئے وہی لاڈلا ابراہیم خلیل اللہ ہے اُسے قربانی کا حکم دیا اب کسی کو بھی یہ بتا دیا جائے کہ تم بیٹا لٹا کر گردن پہ چھری رکھو تو ذبح دنبہ کریں گے پھر تو کوئی بھی کر سکتا ہے لیکن اپنے اُس محبوب اُس خلیل کو علم نہیں ہونے دیا انہوں نے بیٹا ہی اسمٰعیل علیہ السلام ہی کو ذبح کیا ۔ خون کے فوارے نکلے ۔ جسم تڑپا ٹھنڈا ہو گیا جب آنکھ کھولی تو دنبہ ذبح ہوا پڑا تھا یہ اُس کے اپنے علوم ہیں جتنا چاہے عطا کر دے جو چیز نہ بتانا چاہے نہ بتائے یہ اُسکی ذات ہے جو ہمہ جہت ہے ہر بات ہر وقت ہر شے جانتی ہے اللہ کے بندے بحساب جانتے ہیں اتنا جانتے ہیں جتنا اللہ انہیں بتاتا ہے۔

لہٰذا علم غیب یعنی بغیر کسی کے بتائے کے جاننا یہ خاصہ خداوندی ہے انبیاء، صحابہ، اولیاء، صلحا جانتے ہیں اللہ کے بتانے سے تو جو بتانے سے جانا جائے وہ غیب نہیں ہوتا اُسمیں ذریعہ ہوتا ہے جاننے کا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم اللہ کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ علوم ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے جنکی کوئی حد کوئی شمار نہیں اور جن پہ بحث کرنا گستاخی ہے اور ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے اور اللہ کے بعد کائنات میں بے مثل و بے مثال ہے محمد رسول اللہ ﷺ ۔

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پریشان ہو گئے کہ عجیب بات ہے میری قربانی کا کیا ہوا مجھے تو فرزند ذبح کرنا تھا یہ دنبہ ذبح ہو گیا فوراً وحی الٰہی آئی کہ پریشان نہ ہوں **قد صدقت الرویا یا ابراھیم** اے ابراہیم آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اب یہ میری اپنی حکمت ہے میری قدرت کاملہ ہے تم نے تو اسماعیل ہی ذبح کیا یہ میری قدرت کاملہ ہے کہ میں نے دنبہ بھیج کر جنت سے ذبح کرا دیا اور اسماعیل کو بچا لیا ۔ اب بچانے میں میری کیا مصلحت ہے یہ میں جانتا ہوں اور ایک مصلحت تو یہ تھی کہ آپ نور محمدیؐ کے بھی امین تھے آپ کی مبارک پشت ہی سے آقائے نامدار نے بھی جلوہ گر ہونا تھا ﷺ تو آپ اندازہ کیجئے اُس خلوص کا اُس للّٰہیت کا جو اُس معصوم میں تھی جس نے کٹوانے کیلئے اپنی گردن پیش کر دی تو جب چھری چلی ہو گی تو کس طرح کی کتنی رحمتیں نازل ہوئی ہونگی کس طرح کی کتنی برکتیں نازل ہوئی ہونگی کس طرح کے کتنے انوارات نازل ہوئے ہونگے کتنی تجلیات برسی ہونگی وہاں پر اور کس قدر اللہ کے کرم کا وہ مرکز و مہبط بن گیا ہو گا یہ ایک بہت عظیم بات تھی اللہ نے بطور انعام یہ آقائے نامدار ﷺ کے طفیل امت مرحومہ کو عطا کر دی اور بہت خوبصورت انداز میں عطا کی فرمایا کہ اے میرے حبیب آپ کوئی حلال جانور میری راہ میں اُس دن ذبح کریں تو میں وہی انعامات نازل کروں گا جو اُس باپ بیٹے پہ نازل کیئے یعنی قربانی محض ایک رسم نہیں ہے یہ ایک اتنا بڑا انعام ہے جسکا تصور نہیں کیا جا سکتا ہم تو خانہ پُری کرتے ہیں، کبھی تو دکھلاوے کیلئے دو دو لاکھ کا دنبہ لے آتے ہیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کا بکرا لے آتے ہیں اور کبھی خانہ پُری کرنے کیلئے کوئی دبلا پتلا سا لیکر ذبح کر دیتے ہیں دونوں باتیں درست نہیں ہیں اس میں دکھلاوا بھی درست نہیں ہے اسمیں خانہ پُری بھی درست

نہیں ہے اپنی حیثیت کے مطابق قربانی کرنی چاہیئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک جانور ذبح کر دیا جو جتنا صاحب حیثیت ہے اُتنی قربانی کرے نبی کریم ﷺ نے ایک قربانی پر سو اونٹ ذبح فرمائے اس لئے کہ جتنی کوئی کرتا جاتا ہے اتنی رحمتیں، اتنی شفقتیں، اتنی برکتیں، اتنے وہ انوارات اُس پر نچھاور ہوتے چلے جاتے ہیں تو حضور نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست حق سے نحر فرمائے اور باقی کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا کر دیئے کہ آپ میری طرف سے ذبح کر دیجئے تو سو اونٹ حضورؐ نے قربانی کیئے۔اسکا مطلب ہے کہ صاحب حیثیت لوگوں کو خوبصورت اچھے جانور' خوبصورت جانور صحت مند جانور اور جتنی حیثیت ہے ایک سے زیادہ دس دنبے پچاس دنبے۔ سو دنبے۔ دس بکرے' پچاس بکرے دو' قربانی اپنی حیثیت کے مطابق کرنی چاہیئے اور پھر اُس میں زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ اگر کر سکے تو اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے قربانی دی نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ اونٹ دست مبارک سے نحر فرمائے۔

ذبح اور نحر میں یہ فرق ہے کہ اونٹ کو یہاں حلق میں نیزہ مارتے ہیں جو اندر تک چلا جاتا ہے جس سے وہ مر جاتا ہے خون نکلتا ہے اور ذبح ہو جاتا ہے اگرچہ خون نکالنے کے لئے بعد میں گردن بھی مختلف جگہ سے کاٹ دی جاتی ہے کہ دم خارج ہو جائے رہے نہیں لیکن وہ ایک نیزہ یہاں مارا جاتا ہے تو حضور اکرمؐ نے تریسٹھ اونٹ اُس طرح نیزے سے ذبح فرمائے باقی کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضورؐ کی طرف سے پورے سو اونٹ حضورؐ نے قربان کیئے تھے لہٰذا صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیے کہ وہ خانہ پُری نہ کریں ایک پر بس نہ کر دیں بلکہ جتنی حیثیت ہے دو جانور، دس جانور' پچاس جانور' سو جانور' ذبح کریں اور یہ بھی چاہیے کہ پھر جہالت میں لوگ عجیب عجیب اعتراض کرتے ہیں اعتراض ہوتا ہی جہالت ہے کہ جی ابراہیم علیہ السلام نے اُس دنبے کا گوشت کہاں تقسیم کیا تھا کہ آپ گوشت تقسیم کرتے ہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل براہ راست نہیں کرتے ہم عمل کرتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہمیں سنت ابراہیمی عطا ہوئی ہے بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ اگر حضورؐ قربانی نہ فرماتے تو ہم تو قربانی نہ کرتے۔ ہمیں یہ سعادت ہی نصیب نہ ہوتی حضورؐ نے جو قربانی کی ہے اُس کا نہ صرف گوشت تقسیم فرمایا بلکہ حکم دیا ہے کہ جانور کے گلے میں جو رسی ہوتی ہے ہر اونٹ کے پاؤں میں جو رسی ہوتی ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں دے دی جائے اُس کا چمڑہ یا اُس کے چمڑے کا پیسہ جو ہے وہ بھی اللہ کی راہ پہ مساکین میں دیدیا جائے چنانچہ یہ غربا اور مفلسوں کیلئے بھی یوم عید ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کیا جائے اور یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ اس کے اتنے حصے بناؤ اور ایک حصہ فلاح کو یہ بھی درست نہیں ہے قربانی کا گوشت عام تقسیم ہونا چاہیئے دوستوں کو دیں' رشتہ داروں کو دیں' پڑوسیوں کو دیں' غریبوں کو دیں' مفلسوں کو دیں ہر ایک کو دیں ہر ایک اُس میں سے کھا سکتا ہے یا گوشت کا کوئی خاص ٹکڑا آپ خود کھانا چاہتے ہیں تو ضرور کھائیں اُس میں کوئی ممانعت نہیں کہ آپ کلیجی نہیں کھا سکتے اور آپ گردے نہیں کھا سکتے۔ سارا بانٹنا ہے' کچھ بھی نہیں بانٹنا تو اور سارا بھی بانٹنا ہے کوئی مقرر نہیں ہے کوئی پابندی نہیں ہے گوشت کیا اُس میں سے جو چاہیں آپ کھائیں لیکن کوشش کریں کہ غربا تک اور مفلسین تک بھی پہنچے ایک رواج بن گیا ہے کہ آپ نے ایک بکرے کا ایک چوڑا دیدیا ایک ران دیدی تو اُس نے آگے دیدی اُس نے آگے دیدی وہی ران گردش کرتی آپ تک بھی آ سکتی ہے کہ تحفے میں ران دیدی کہ یہ ہو جائے کہ ہم نے بھی قربانی کی ہے تو یہ رسم نہیں ہے بلکہ اللہ کے انعامات کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ جو سنت ابراہیمی حضورؐ کو عطا

ہوئی اور حضورؐ کی سنت پہ ہم عمل کرتے ہیں تو اچھا جانور خرید اجائے۔ خوبصورت جانور اگر ہو سکے تو خود پالا جائے محنت کی جائے اُس پہ سال بھر یہ ممکن نہ ہو تو کچھ روز پہلے تو خرید لیا جائے کہ کچھ دن تو اُسے پالنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ یہ بھی نہ ہو تو قربانی کے وقت بھی خرید لیں لیکن پھر اچھا خریدیں تا کہ دل کو لگے اور قربان کرتے ہوئے احساس ہو کہ کچھ چیز میں دے رہا ہوں ویسے ہی کوئی ردی کی چیز خرید لی جسکا خود کو احساس بھی نہیں نوکروں سے کہہ دیا دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں وہاں جا کر ذبح کرآؤ تو یہ محض رسم نہیں ہے بلکہ یوم عید ہے اور اسمیں اللہ نے دو رکعت نماز بھی زائد تکبیروں کے ساتھ اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے لئے عطا فرمائی اجتماع عام پورے شہر کو عید کیلئے عیدگاہ میں جمع ہونے کا حکم دیا مسلمانوں کا باہمی ربط وضبط بھی ہے نظم بھی ہے۔

اور زندگی بھر کے گناہوں کو اُس مذبح جانور کے خون میں بہا دینے کا ایک موقع بھی ہے وصول الی اللہ کا ایک موقع بھی ہے کہ خلوص دل کے ساتھ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے قرب کو اور اللہ کی رضا کو حاصل کرے اور یوں قربانی کر کے اللہ کی بارگاہ میں وہ انعامات' وہ انوارات' وہ برکات جو اللہ کے خلیل علیہ السلام نے اپنے چاند جیسے ذبیح اللہ بیٹے کی گردن پہ چھری رکھ کے حاصل کیے تھے عام مسلمان ایک عام جانور کو ذبح کر کے وہ برکات حاصل کر سکتا ہے اس خلوص کے ساتھ' اس ایمان کے ساتھ' اس یقین کے ساتھ اور اس اہتمام کے ساتھ قربانی کی جائے اور کوشش کی جائے کہ جہاں تک وہ مساکین کو بھی گوشت پہنچایا جاسکتا ہے پہنچایا جائے تا کہ عید کے روز اُن کے بچے بھی عید کریں وہ بھی اچھا کھانا کھا سکیں اور وہ بھی عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکیں۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

مناجات

(انجینئر عبدالرزاق اویسی)

خُدایا میں تیری رضا چاہتا ہوں
کہ عشقِ نبی ﷺ کی رِدا چاہتا ہوں
نہیں تیری دنیا میں اس کے سوا کچھ
کہ میں دولتِ دوسرا چاہتا ہوں
جو سجدہ کروں ہو مرے سامنے تُو
کہ تکمیلِ شوقِ لِقا چاہتا ہوں
ہے میری طلب دوسروں سے انوکھی
میں قلبِ حزیں کی دوا چاہتا ہوں
کٹا دوں ترے راستے میں رگِ جاں
شہادت کا لُطف ومزا چاہتا ہوں
ابوبکرؓ بن جائے صدیقؓ جس سے
میں ایسا ہی صِدق و صفا چاہتا ہوں
اباطیل کے جس سے ایوان لرزیں
میں فاروقؓ سا رہنما چاہتا ہوں
جو آقا ﷺ سے جنت کا پروانہ لے دے
میں عثمانؓ کی سی غِنا چاہتا ہوں
جو خلقت کے مُردہ دلوں کو جگا دے
علیؓ کا سا قلبِ صَفا چاہتا ہوں
ہوں جنت کا خواہاں نہ دوزخ سے خائف
کہ میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں
ہو کافور جس سے مرے دل کی ظلمت
میں قلبِ نبی ﷺ سے ضیا چاہتا ہوں
ہوں مُشتِ غبار اور ایسی جسارت
"مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"
کئے ماسوا کو جو سجدے اویسی
بڑھاپے میں ان کی قضا چاہتا ہوں

اسلام کا معاشی نظام

اسلام چونکہ دین حق ہے اللہ کا بنایا ہوا دین ہے مخلوق بھی اللہ کی ہے اس کی ضرورتیں بھی اللہ کی ہیں' مال بھی اللہ کا ہے تو اسلام نے حصول زر سے لے کر اس کے اخراجات تک رہنمائی فرمائی۔ اسلام کا واحد مالی نظام ہے جس میں زکوٰۃ فرض کر کے ایک ایسا نظام دے دیا کہ ہر سال اگر آپ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ سارے معاشرے میں چلا جائے گا۔ جس طرح بدن میں خون گردش کرتا ہے' اسی طرح مال کو بھی معاشرے میں گردش کرنی چاہیے۔ مال اگر ایک جگہ کھڑا ہو جائے گا تو وہ جگہ تباہ ہو جائے گی اور طرح طرح کے مسائل جنم لیں گے

منجانب

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 31-10-2008

الحمدللہ رب العلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم o

ویستفتونک فی النسآءِ ...... وکان اللہ

سمیعاً بصیراً o سورۃ النساء آیت نمبر ۱۲۷ تا ۱۳۴

اللھم سبحنک لا علملنآ الا ما علمتنا

اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً

عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہٖ الْعُصُرُوا

گذشتہ آیات میں بتایا گیا کہ اصلاح اعمال کی بنیاد اصلاح عقیدہ ہے جب تک عقیدہ ونظریات درست نہ ہوں کردار کی اصلاح ممکن نہیں۔ان آیات مبارکہ میں ایک نہایت حساس موضوع پر بات ہو رہی ہے۔وہ یہ کہ یستفتونک فی النسآء۔آپ ﷺ سے خواتین کے بارے پوچھتے ہیں تو فرمائیے قل اللہ یفتیکم فیھن اللہ تمہیں خواتین کے بارے یہ فیصلہ سناتا ہے کہ ان کا جو حق ہے انہیں دو انہیں عزت واحترام دو ان کی ضروریات کا خیال رکھو انہیں محبت دو اور اللہ کا یہ فیصلہ دائمی ہے وما یتلیٰ علیکم فی الکتٰب کہ یہ قرآن حکیم کا حصہ ہے جو تم سب کو بار بار پڑھ کر سنایا جاتا رہے گا۔

فی یتٰمیٰ النسآءِ التی لا تؤتونھن ما کتب لھن کہ خصوصاً وہ خواتین جو میکے سے کمزور ہوتی ہیں جن کے والدین فوت ہوجاتے ہیں اور وہ یتیم ہوجاتی ہیں اُن سے تم شادیاں تو کرلیتے ہو لیکن جو اُن کا حق بنتا ہے وہ انہیں نہیں دیتے وترغبون ان تنکحوھن تمہیں اس بات کا تو بہت شوق ہوتا ہے کہ ایسی خواتین کے ساتھ نکاح کرلیا جائے جن کے ساتھ جائیداد بھی آجائے' مال بھی آجائے تو یہ بات درست ہے اور جائز ہے اللہ ان چیزوں سے منع نہیں کرتا تم ایسا ضرور کرسکتے ہو لیکن یاد رکھو جو ان کا حق بنتا ہے وہ انہیں دو۔جاننا چاہیے کہ شریعت مطہرہ میں شادی کا تصور کیا ہے؟ یہی کہ اللہ کے نام پر ایک خاتون ایک مرد پر عمر بھر کے لئے حلال ہوجاتی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دونوں مل کر معاشرے کو اچھے انسان مہیا کریں ایسے بچے پیدا کریں ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ اچھے انسان بنیں نیک وپاک باز' صالح اور عادل حکمران بن سکیں جو اللہ کی راہ میں حق کی حفاظت کرنے والے باطل کو ختم کرنے والے' ظلم کو روکنے والے بن سکیں متقی عالم بنیں' دیانتدار تاجر بنیں لیکن ایسا تب ممکن ہوگا جب یہ دونوں مل کر باہمی تعاون سے اپنا اپنا فرض بخوبی نبھائیں لیکن اگر خاوند اس بات پر اڑ جائے کہ وہ عورت کا مال تو ہڑپ کرجائے لیکن اسے انسان کا درجہ بھی نہ دے محض کام کرنے کی مشین سمجھے یا گھر کی خادمہ نہ اسکی رائے لی جائے نہ بات سنی جائے تو پھر بات نہیں بنے گی یا عورت یہ تہیہ کرلے کہ خاوند کے سامنے تو وہ بڑی پارسا نظر آئے

لیکن نہ اس کی عزت کی حفاظت کرے نہ اس کے مال کی حفاظت کرے نہ ہی اولاد کی صحیح دیکھ بھال کرے تو پھر بھی بات نہیں بنے گی بلکہ اولاد تباہ ہوگی' بچے نالائق ہوں گے' اور یہ دونوں معاشرے کو اچھے لوگ نہیں دے سکیں گے۔ اگر مرد وعورت کی آپس میں ٹھن جائے ایک مقابلہ بن جائے تو جو تعمیر انہوں نے کرنی تھی اس کا کیا ہوگا؟ ایک دیوار بنانے پر دو کاریگر لگائے جائیں اور وہ سارا دن آپس میں لڑتے رہیں تو صحیح دیواریں کب بنیں گی مضبوط گھر کیسے بنے گا کوئی ایک اینٹ لگائے گا دوسرا اس کو کھسکا دے گا ایک جگہ ایک کاریگر سیمنٹ لگائے گا دوسرا اُسے اکھیڑ دے گا دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے رہیں گے تو نقصان کس کا ہوگا؟ آئندہ بننے والے مکان کا ہوگا میاں بیوی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے رہیں گے تو آنے والی نسل تباہ ہو جائے گی۔

یاد رکھیں! انسان ہونے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ فرائض میں اختلاف ہے مرد کے اپنے فرائض ہیں اور عورت کے اپنے فرائض ہیں جس طرح کی ذمہ داریاں دونوں کو دی گئی ہیں اسی طرح کی صلاحیتیں اور قوتیں دونوں کو عطا کی گئی ہیں تخلیقی طور پر مرد کا وجود ان کاموں کے لئے بنایا گیا ہے جو اس کی ذمہ داریاں ہیں اور عورت کا وجود بھی اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے مختلف بنایا گیا ہے لیکن حساب کتاب دونوں کا ایک ہی میدان میں ہوگا ایک ہی ہستی کے سامنے ہوگا اگر بھلا کریں گے تو بھلے کا اجر بھی دونوں کو ملے گا بُرائی اور کوتاہی کریں گے تو اس کی سزا پائیں گے نہ کوئی الگ جہنم ہے نہ کوئی دوسری جنت ہے کہ مردوں کی الگ اور عورتوں کے لئے الگ ہو ایک ہی میدان حشر ہے اور حساب لینے والی ہستی بھی ایک ہی ہے ایک قادر مطلق مالک الملک اللہ جل شانہ۔

بنیادی طور پر عورت کا فرض بقائے نسل انسانی ہے۔ عورت بحیثیت ماں معاشرے کو بہترین انسان دینے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ عادل حکمران' نیک اور صالح' جری اور بہادر غازی اور شہید حتیٰ کہ آئمہ اور اولیاء اور سب سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام نے بھی عورت ہی کی گود میں پرورش پائی۔ تربیت اور پرورش کا یہ کام سختی نہیں چاہتا یہ نرمی اور شفقت چاہتا ہے یہ محبتوں کا متقاضی ہے لہٰذا عورت کا وجود تخلیقی طور پر مرد کی نسبت کمزور ہے اور اسکی فکر سوچ اور استعداد کار میں محبت کا مادہ زیادہ رکھا گیا ہے۔

مرد کی ذمہ داری ملک کا دفاع' حصول رزق حلال' اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کرنا' ان کے لئے گھر بنانا اس کا تحفظ کرنا' بچوں کی تربیت کی نگرانی' اللہ کے لئے ظلم کے مقابلے پر جہاد کرنا شمشیر بکف ہونا ہے اس لئے عورت کی بہ نسبت مرد کو زیادہ طاقتور وجود دیا گیا ہے مرد کے وجود میں نرمی کم اور شدت زیادہ ہے۔

جب مرد اور عورت کا تعلق بنتا ہے تو مرد میں چونکہ شدت زیادہ ہے اور عورت میں نرمی زیادہ ہے تو ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جس میں مردوں کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ جو جی چاہے کرتے ہیں۔ عورت سے کوئی مشورہ نہیں لیتے' اس کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اس کی جائیداد ہڑپ کر جاتے ہیں اس کا مال کھا لیتے ہیں اسے جائیداد میں حصہ نہیں دیتے اسکی رائے نہیں سنتے اگر مشورہ دے تو تشدد کرتے ہیں' ہاں اگر کسی کا میکہ مضبوط ہو وہ صاحب حیثیت ہو تو اسے ایک حد تک یہ تحفظ حاصل رہتا ہے کہ اس کے پیچھے باپ کی صورت میں کوئی مرد کھڑا ہے مگر جن کے والدین فوت ہو جاتے ہیں اُن کا میکہ کمزور پڑ جاتا ہے جائیداد کے لالچ میں اُن سے شادی تو کر لی جاتی ہے لیکن اُن کے حقوق ادا نہیں کرتے اس کا مال غصب کر لیتے ہیں اور شادی کے ساتھ جو حقوق وابستہ ہیں انہیں ادا نہیں کرتے۔ اللہ کریم خواتین کے ان حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ نہ ہو کہ تم

سمجھ کر شادیاں تو کر لو لیکن اُن کا جو احترام گھر میں ہونا چاہئے وہ انہیں نہ دو اور جائیداد اور مال میں اُن کا جو حق ہے اس سے محروم کر دو بلکہ حکم یہ ہے کہ خواتین کے حقوق خوش دلی سے انہیں دو۔ عزت واحترام دو، مال وجائیداد سے حصہ دو اور اچھی طرح اُن سے گزارا کرو۔

عورت کے لئے بھی حکم ہے کہ وہ خاوند کی وفادار ہو اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنی عزت کی حفاظت کرے اسکی اولاد اور اسکے مال کی محافظ ہو ان کی صحیح دیکھ بھال اور تربیت اس کی ذمہ داری ہے عورت اور مرد اپنے اپنے فرائض اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھ کر باہمی خوشی ورضامندی سے ادا کریں تو گھر امن وچین کا گہوارہ بن جاتا ہے اس لئے کہ اسکی روح باہمی محبت میں ہے۔ لیکن اگر مرد وعورت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے لگیں تو پھر وہ اولاد کی صحیح تربیت نہیں کر سکیں گے اُن کے ہاں انقلاب آفرین شخصیات پیدا نہیں ہوسکیں گی لہٰذا اللہ کریم ہر ایک کو اس کے فرائض بتا کر باہمی محبت کی فضا پیدا کرنے پر زور دیتا ہے اور مرد کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ نے جو حقوق خواتین کے مقرر کر دیئے ہیں وہ انہیں دینے میں کوتاہی نہ کرو خصوصاً یتیم بچیوں کے بارے تاکید کرتا ہے کہ ان کے مال اور جائیداد میں سے ان کا حق انہیں دیا جائے اور جس عزت واحترام کی وہ مستحق ہیں وہ انہیں ملے، والمستضعفین من الولدان ۔ اسی طرح ان بچوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے جن کے والد یا والدین وفات پا جاتے ہیں اور بچے یتیم رہ جاتے ہیں اُن کی جائیداد چچا کے پاس چلی جاتی ہے اور بچے بھی چچا کی کفالت میں چلے جاتے ہیں یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کی کفالت میں چلے جاتے ہیں۔ انکی سرپرستی کرنے والوں کے لئے بھی یہی حکم ہے ۔ وان تقوموا للیتمیٰ بالقسط ۔ کہ ان یتیم اور کمزور بچوں کے ساتھ پورا پورا عدل کرو ان کے مال وجائیداد کی حفاظت امانتداری سے کرو، قرآن حکیم میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ کبھی بیٹھ کر یہ سوچیں کہ ان کے بچے بھی یتیم ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ کیا توقع کرتے ہیں کہ اُن کے بچوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے لہٰذا جو بچے یتیم رہ جائیں انکے سرپرستوں کو ان بچوں سے وہی سلوک روا رکھنا چاہئے جو وہ اپنے بچوں کو یتیم چھوڑ جانے کی صورت میں دوسروں سے توقع کرتے ہیں۔ وما تفعلوا من خیرٍ فان اللہ کانہ بہ علیماً o

یاد رکھو! دنیا انجام نہیں ہے یہ حیات ابدی کا آغاز ہے دنیا نتیجہ نہیں ہے دنیا عمل کا مقام ہے نتیجہ آخرت میں سامنے آئے گا جو بھی بھلائی کرے گا اس کا اجر یقیناً آخرت میں پالے گا۔ کوئی بھلائی ضائع نہیں جائے گی۔ یقین رکھو اللہ کی بارگاہ سے نہ رائی برابر ظلم چھپ سکے گا نہ رائی برابر نیکی ضائع جائے گی کہ ہر چیز اللہ کے ذاتی علم میں ہے اللہ تو اتنا کریم ہے کہ جو کام بندے کا فرض ہے اسے بھی نیکی شمار کر کے اجر عظیم سے نوازتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن حلال روزی کماتا ہے تو یہ عبادت شمار ہوتی ہے وہ رزق حلال اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے ۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کو کھلانا تو اس پر واجب ہے تو یہ صدقہ کیسا؟ فرمایا اللہ کے حکم کو پورا کرنا ہی اللہ کی عبادت ہے بیوی بچوں کے اخراجات حلال روزی سے پورا کرنا اللہ کا حکم ہے اور ان کے حکم کی تعمیل میں کیا جانے والا کام عبادت بن جاتا ہے لہٰذا اللہ سے امید خالص رکھو اس بات پر قوی یقین رکھو کہ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

و ان امراۃٌ خافت من بعلھا نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیھما ان یُصلحا بینھُما صُلحاً والصلح خیرٌ واحضرت الانفس الشح o یاد رکھو کسی خاتون کو یہ ڈر ہو کہ

اس کا شوہر بد دماغ ہے وہ اسے ایذا دے گا۔ اچھا سلوک نہیں کرے گا یا وہ اس کی طرف سے لا پرواہ ہے اس سے اعراض کرتا ہے اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اسے خاتون کا احترام نہیں دیتا اسے اپنے برابر کا انسان نہیں سمجھتا تو ایسی صورت میں چاہیے کہ یہ مرد اور خاتون دونوں آپس میں بیٹھ کر بات کریں کسی دوسرے کو درمیان میں نہ لائیں اور آپس میں طے کریں کہ انہیں کس طرح سے رہنا ہے یہ سب سے اچھی بات ہے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کی سنیں اور ایک دوسرے کو سمجھائیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے کہ بیوی رشتہ دار اور ملنے جلنے والی عورتوں کے سامنے رونا روتی ہے کہ اس کا شوہر ایسا ویسا ہے اور شوہر بیوی کی برادری میں بیوی کا شکوہ کرتا پھرتا۔ دونوں ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں ایک دوسرے کی برائیاں بیان کرتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ میاں بیوی تو ایک دوسرے کی عزت کے امین ہیں ایک دوسرے کا لباس ہیں بہتر یہ ہے کہ نا چاقی کی صورت میں بیوی میاں کے سامنے اپنا شکوہ بیان کرے ہوسکتا ہے کوئی غلط فہمی ہو میاں وضاحت کر دے تو غلط فہمی رفع ہو جائے اسی طرح میاں کو اپنی بیوی سے شکایت ہے تو علیحدگی میں اس سے بات کرے اس سے پوچھے کہ یہ بات یا یہ کام اس نے کیوں کیا؟ ہوسکتا ہے بیوی کی وضاحت شوہر کو مطمئن کر دے والصلح خیر ؑ اس لئے کہ صلح میں خیر ہے بہتری ہے۔ میاں بیوی کی لڑائی میں بہتری نہیں اس جنگ کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہر جنگ میں ہار جیت ہوتی ہے لیکن جب میاں بیوی میں جنگ ہوگی تو دونوں ہار جائیں گے اس میں کوئی نہیں جیتے گا اس میں کسی کو فتح نہیں ہوگی دونوں کا گھر اجڑے گا دونوں کی اولاد برباد ہوگی دونوں کا زندگی کا وقت برباد ہوگا اسکی بہتری صلح میں ہے اللہ کے نام پر جو رشتہ بنتا ہے اسے اللہ کے نام پر پوری دیانتداری سے نبھانے کی کوشش کرو واحضرت الانفس الشح رہ گئی بات خواہشات نفس کی تو خواہشات نفس میں تو دوسرے پر غلبہ پانے کی آرزو ہوتی ہے حرص ہوتا ہے اس کی پرواہ نہ کرو اپنی نفسانی خواہشات کو اہمیت ہی نہ دو صرف اللہ کے حکم اور اپنے نبی ﷺ کی سنت دیکھو اپنے عقیدے کے مطابق اپنے اعمال انجام دو اور خود کو شریعت کے اندر رکھنے کی کوشش کرو۔ خواہشات نفس کی بنیاد حرص پر ہوتی ہے حرص اس خواہش کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو جس میں جو چیز مل جائے اس کیلئے لالچ بڑھتا ہی چلا جائے اس لئے نیک خواہش تو پوری ہو سکتی ہے حرص پر مبنی خواہش کبھی پوری نہیں ہوتی اور حریص یہی چاہتا ہے کہ ساری دولت اس کے پاس جمع ہو جائے جہان بھر کا حسن اس کے پاس سمٹ آئے جہان بھر کی شہرت وہ سمیٹ لے لیکن حرص کی نہ حد ہوتی ہے نہ یہ کبھی آسودہ ہوتی ہے اور نہ بندہ ان خواہشات کو کبھی پورا کر سکتا ہے اس بیماری کا علاج یہی ہے کہ انسان خواہشات نفس کے بجائے احکام الٰہی کو پیش نظر رکھے۔ سنت پیغمبر ﷺ کو دیکھے اپنے شرعی فرائض کو دیکھے اور میاں بیوی خود ایک دوسرے کی عزت کریں اس طرح لوگ بھی ان کی عزت کریں گے بصورت دیگر دونوں کی رسوائی ہوگی خاوند بیوی کے خلاف بات کرے گا تو اپنی عزت بھی بچا نہ پائے گا بیوی خاوند کے خلاف بات کرے گی تو خود اسکی عزت بھی نہیں بچے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دونوں آپس میں مل بیٹھ کر مسئلے کا حل نکال لیں

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر آپس میں بات کر کے بھی بات نہ سلجھے معاملہ حل نہ ہو تو میاں اور بیوی دونوں کے بزرگوں میں سے ایک ایک معتبر بزرگ منتخب کر لیا جائے اور میاں بیوی ان دونوں بزرگوں کو اپنی شکایت بتائیں وہ دونوں بزرگ آپس میں بات کر کے کوئی درمیانی راستہ تجویز کریں۔

وان تحسنو وانتقوا فان کان بما تعملون خبیراً ○ بہتر یہ

ہے کہ تم خلوص دل سے انصاف کرو اچھا برتاؤ کرو اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھو اس لئے کہ اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ لفظ تقویٰ کا ترجمہ اُردو میں ڈر لکھ دیا جاتا ہے جو تقویٰ کے مفہوم کی وضاحت نہیں کرتا تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے اپنا تعلق درست رکھو سارے جہان سے بگڑ جائے اللہ سے نہ بگڑے کم ازکم اللہ کریم کے ساتھ اپنا معاملہ کھرا رکھو وتحسنوا اور خلوص دل سے ایسا کرو اور یہ بھی یاد رکھو تم جو بھی کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

ولن تستطیعوآ ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقه وإن تصلحو وتتقوا فان اللّٰہ کان غفوراً رحیماً o ایک سے زائد بیویوں کے بارے احکامات بیان ہو رہے ہیں جس میں عدل بنیادی شرط بتائی جا رہی ہے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ یہ مشورہ دیا گیا ہے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربع** خواتین میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو، تین سے نکاح کرلو چار تک کی اجازت ہے **فان خفتم الا تعدلوا** لیکن اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ متعدد بیویوں یعنی دو، تین یا چار بیویوں میں عدل نہیں کرسکو گے تو **فواحدہ** پھر ایک پر گزارہ کرو۔ عدل یہ ہے کہ انہیں ایک جیسی عزت دو ایک جیسی رہائش ایک جیسا معیار زندگی فراہم کرو **ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآءِ**۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ تمہارا قلبی میلان یقیناً کسی طرف زیادہ ہوگا ہر ایک کے ساتھ ایک جیسی محبت نہیں ہوسکتی سب کے ساتھ ایک جیسا پیار دل میں ہو یہ ممکن نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے ساتھ سلوک برابر نہ کیا جائے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کیفیات قلبی پر تو میں درگزر فرمالوں گا لیکن معاملات ظاہری میں برابری نہ کرنے پر پرسش ہوگی لہٰذا معاملات ظاہری میں عزت واحترام' رہائش واخراجات زندگی وغیرہ سب میں عدل ہو یعنی سب کے ایک جیسے ہوں **فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقه**. یہ نہ ہو کہ ایک بیوی کی طرف ہی جھکاؤ ہو جائے اور دوسرے کو عضو معطل کی طرح چھوڑ دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ایک بیوی تو مہارانی بن جائے اور دوسری نان شبینہ کو ترستی رہے۔ **وان تصلحوا وتتقوا فان اللّٰہ کان غفوراً رحیماً** o اصلاح احوال کی کوشش کرو اور اللہ سے معاملہ درست رکھو پھر جو بھول چوک ہو جاتی ہے اسے بخشنے کے لئے اللہ کی بخشش کافی ہے اور اللہ کی مغفرت بہت وسیع ہے **وان یتفرقا یغن اللّٰہ کلا من سعته وکان الله واسعاً حکیماً** o اور اگر میاں بیوی کی سوچ میں اتنا اختلاف ہے دونوں کا انداز فکر اور طرز عمل اتنا مختلف ہے کہ یہ اکٹھے نہیں رہ سکتے تو پھر ایک دوسرے کو ایذا دینے کے بجائے الگ ہو جانا اچھا ہے۔ ساری زندگی کے جھگڑے اور فساد سے بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ طلاق گو جائز اور حلال کام ہے لیکن شریعت میں سب سے ناپسندیدہ ہے۔ مخصوص حالات میں جب صلح ممکن نہ رہے اس کا استعمال جائز ہے لیکن بہر حال ناپسندیدہ ہے لہٰذا پوری دیانتداری سے میاں بیوی آپس میں بیٹھ کر صلح کی کوشش کریں بزرگوں کو درمیان میں حکم بنا کر صلح کی کوشش کریں کہ صلح میں ہی خیر ہے اگر ایک سے زائد بیویاں ہیں تو ان میں ہر ممکن حد تک برابری کریں اور اگر یہ سب کچھ کارگر نہ ہو تو پھر الگ ہو جائیں الگ ہونے کا بھی ایک طریقہ ہے دین میں ہر کام کا مناسب طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ طلاق کسی دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے نہیں دی جاتی نہ کسی خاندان کی رسوائی مقصد ہوتا ہے نہ اُن سے کسی دشمنی کا بدلہ لینا مقصد ہوتا ہے بلکہ شرعی قاعدہ موجود ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے ایک طلاق دے کر ایک ماہ انتظار کیا جائے ہوسکتا ہے میاں بیوی میں

صلح ہو جائے۔ ایسی صورت میں صرف صلح کافی ہے دوسرے مہینے دوسری طلاق ہوگئی اس کی عدت نہیں گزری اور اس میں صلح ہو جائے تو نکاح سابق برقرار رہے گا لیکن اگر تیسرے طہر کے بعد تیسری طلاق دے دی تو پھر معاملہ ختم ہوگیا۔ اب مناسب طریقے سے الگ ہو جاؤ۔ طلاق میں واپسی کی گنجائش دو بار تک ہے پہلی یا دوسری طلاق کی صورت میں اگر عدت کے دوران صلح ہو جائے تو نکاح کی ضرورت نہیں لیکن عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے اگر تین طلاقیں دے دی جائیں تو اس کے بعد واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اچھے اور مناسب طریقے سے علیحدگی ہو جانی چاہیے اگر بیوی کے پاس میاں کا دیا ہوا مال ہے یا مال میں کچھ بچا ہوا ہے تو اسے لوٹا دے اگر میاں کے پاس بیوی کا کچھ مال ہے یا اسکی وراثت اسکی ملکیت میں ہے تو اس کا مال اس کے سپرد کردے اور اس طریقے سے کرے کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی کی بنیاد نہ پڑے۔ قصور تو دو لوگوں کا ہے میاں اور بیوی کا یا ان دو میں سے ایک کا ہوگا تو اس کی سزا ان دو خاندانوں کو نہ دی جائے اور نہ اس طرح الگ ہوا جائے کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا ہو جائے۔ الگ ہو جانے والے میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے مال پر نظر نہ رکھیں اللہ قادر ہے وہ دونوں کو فراخی دے سکتا ہے کسی مخلوق پر دوسرے کی روزی کا مدار نہیں کہ اس کے ساتھ رہے گا تو روزی ملے گی اس کے ساتھ نہیں ہوگا تو نہیں ملے گی اللہ سے پوری امید رکھی جائے اس لئے کہ صرف وہی روزی دینے اور روزی میں وسعت دینے پر قادر ہے وہ بہت وسعت والا اور بڑی حکمت والا ہے مال پر مت جھگڑو نہ یہ کہو کہ یہ میرا مال ہے وہ میرا مال ہے یہ بھی میں لے لوں وہ بھی میرے پاس آجائے یہ مال تو کسی کا نہیں بلکہ واللہ ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض ٥ ارض وسما میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ کا ہے اگر وقتی طور پر کسی کی ملکیت میں ہے تو اللہ کا دیا ہوا ہے اگر چھینا جھپٹی کر کے مرد لے لے گا تو وہ بھی چھوڑ کر مر جائے گا اور اگر خاتون ایسا کرے گی تو وہ بھی چھوڑ کر مر جائے گی یہ مال و دولت یہ ارض وسما اس وحدہٗ لاشریک کے ہیں تمہارے پاس بطور امانت ہیں تمہیں دنیا میں استعمال کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں تو کتنا ہی اچھا ہو کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کرلو اگر چھینا جھپٹی کر کے استعمال کرو گے تو اللہ کے نزدیک مجرم بن جاؤ گے اور خود تو چھوڑ کر مر جاؤ گے دوسرے استعمال کریں گے اور اللہ کے ہاں جواب طلبی تمہاری ہوگی۔

ولقد وصینا الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللّٰہ وان تکفروا فان اللہ ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض ٥ وکان اللہ غنیاً حمیداً٥

دیکھو پہلے انبیاء تشریف لائے ان سب انبیاء کی تعلیم اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی تعلیم کا حاصل بھی وہی ہے جو قرآن حکیم میں ہے سب میں ایک بنیادی بات کا ذکر ہے اور وہ ہے اتقوا اللّٰہ اللہ سے بات بنا کر رکھو اللہ کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ اسکی اطاعت کرو اور خلوص دل سے کرو وہ نہ صرف تمہارا خالق ہے بلکہ ارض وسما اور کائنات کی ہر شئے کا خالق و مالک ہے تم تو مشت غبار ہو مر کر پھر مشت غبار بن جاؤ گے نہ جاگیر تمہاری ہوگی نہ حکومت وسلطنت نہ خزانہ نہ دولت سب کچھ یہیں چھوڑ کر جاؤ گے جس مٹی سے اس نے پیدا کیا تھا اسی مٹی میں جا ملو گے وہ تمہیں اسی مٹی سے پھر زندہ کرے گا اور اپنے کئے کا تمہیں جواب دینا ہوگا ہر چیز اسی کی ہے اور آخر میں ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہی رہتی ہے اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ کسی چیز میں اللہ کی ذات کسی کی محتاج نہیں لہٰذا نیکی کر کے کوئی اللہ پر احسان نہ دھرے۔ جس نے بھلائی کرنی ہے تو اپنے لئے کرنی ہے

اس کا اجر بھی اسے ہی ملے گا نیکی کا فائدہ خود اسے ہوگا اور جس نے بُرائی کی اس کا نتیجہ بھی خود ہی بھگتے گا۔ اللہ تو اپنی ذات میں تمام اوصاف اور تمام کمالات کا مالک ہے ارض وسما کی ہر چیز اس کی ذاتی ملکیت ہے اور وہ بہترین کارساز اور مدبر کائنات ہے ہر چیز کا انتظام اسکی قدرت کے تابع ہے کس قطرے کو کہاں برسنا ہے اور کس جھونکے کو کہاں سے گزرنا ہے' کس پھول میں کون سی خوشبو ہوگی اس کا رنگ کیا ہوگا' وہ کس کس کو مستفید کرے گی اس کی خصوصیات کیا ہوں گی کون سا دانہ کس کے حلق میں پہنچے گا' کس کس زمین پر کون کتنے قدم چلے گا یہ سارا اس کا طے کیا ہوا نظام ہے جس میں کوئی رائی برابر کمی بیشی نہیں کرسکتا اپنی ذات کے لئے نیکی کرو اپنے لئے بھلائی کرو' خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرو تو یہ بھلائی تمہارے اپنے کام آئے گی ورنہ اللہ کی ذات غنی وحمید ہے۔

ان یشاء یذھبکم ایھا الناس ویات بااخرین وکان اللہ علی ذلک قدیراً لوگو! سوچو اگر وہ چاہے تو قوموں کی قوموں کو یا پوری انسانیت کو ایک دم غرق کردے یا تباہ کردے اس کا کیا بگڑ جائے گا کچھ بھی نہیں وہ قادر ہے کہ دوسرے لوگ پیدا کردے۔ تاریخ عالم اس حقیقت پر گواہ ہے کہ قوموں میں جب بگاڑ آیا تو قوموں کی قومیں آن واحد میں تباہ ہوگئیں اور انکی جگہ دوسری اقوام آگئیں حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اُمت پر اجتماعی عذاب موقوف ہو گیا یہ آپ ﷺ کی برکت اور خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے زمین پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اللہ نے اجتماعی عذاب ختم کردیا۔

لوگو! کیا تم انقلاب زمانہ دیکھ نہیں رہے ہو ایک شخص آج تخت سلطنت پر بیٹھا ہے اور کل اسے ایک خاکروب پھانسی پر لٹکا دیتا ہے۔ ایک وقت میں ایک شخص قیدی ہے اسے قیدی نمبر سے پکارا جاتا ہے اور پھر وہ تخت سلطنت پر بیٹھا نظر آتا ہے کیا یہ سب کچھ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

تو شاہوں کو گدا کردے گدا کو بادشاہ کردے
اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

وہ چاہے تو قید سے نکال کر حکومت دے دے اور چاہے تو قصر سلطنت سے اٹھا کر پھانسی پر لٹکا دے اسی طرح ممکن ہے کہ وہ سب کو فنا کردے اور دوسرے انسان پیدا کردے۔ **وکان اللہ علیٰ ذلک قدیراً** وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اس کی قدرت کاملہ کسی کیلئے مشکل نہیں۔

من کان یرید ثواب الدنیا فعنداللہ ثواب الدنیا ولآخرۃ ○ وکان اللہ سمعیاً بصیراً ○ ہاں اگر تم دنیا کا فائدہ چاہتے ہو' دنیا میں معزز ہوکر رہنا چاہتے ہو' دنیا میں مالدار ہوکر رہنا چاہتے ہو' دنیا میں اچھی شہرت چاہتے ہو' اچھی صحت چاہتے ہو' تو یاد رکھو دنیا کا فائدہ بھی اللہ ہی کے پاس ملے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جو دنیا کا فائدہ دے سکے اور آخرت کا فائدہ بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ دنیا میں نیکی کرو تمہیں عزت ملے گی اللہ کی اطاعت کرو رزق میں وسعت بھی ملے گی اور یہ یقین رکھو کہ اللہ کی نافرمانی کر کے سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں ملے گا نہ دنیا کی بھلائی نہ آخرت کی کامیابی۔ اس لئے کہ دنیا وآخرت کی کامیابیاں اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وسعت وفراخی بھی اس کے پاس ہے رحمت ومغفرت بھی اس کی بے پایاں ہے اور وہ ہر ایک کی بات سنتا بھی ہے ہر ایک کے حال کو دیکھتا بھی ہے۔

وآخر دعونا ان الحمداللہ رب العالمین

..........☆☆☆..........

زندگی سنوارنے کا نسخہ

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 29-09-2007

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمo

دعا مومن کا سب سے موثر ہتھیار ہے اور بہترین دعائیں وہ ہیں جو رب العالمین نے تعلیم فرمائی ہیں یا پھر وہ دعائیں ہیں جو قرآن حکیم کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائی ہیں۔ تیسری کوئی دعا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کچھ انسان کے دل میں ہوتا ہے وہی اس کی زبان پر آتا ہے اور جو زبان پر آتا ہے وہ دل کو متاثر کرتا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے زبان کی حفاظت کی بہت تاکید فرمائی ہے اللہ کریم نے کتاب الٰہی میں ایسی دعائیں تعلیم فرمائی ہیں تاکہ بندے کی زبان پر رہیں اور اس کے دل کو بھی متاثر کریں یہی وجہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کو بار بار دہراتے رہنے کا حکم ہے تاکہ پڑھنے اور دہرانے والے کا دل بھی ویسا ہو جائے جیسا ان لوگوں کا تھا جن کے دل کی یہ صدا ہے۔ یہ بات فطرت کے اصولوں میں سے ایک ہے کہ ایک درخت پر جو پھل آتا ہے اسی میں اس درخت کا حاصل یعنی اس کا بیج ہوتا ہے اس بیج کو زمین میں بویا جائے تو پھر اُسی درخت کا پودا اُگتا ہے اور پودا بڑا ہو کر ویسا ہی ایک اور درخت بن جاتا ہے یہی قاعدہ زبان اور دل کے متاثر ہونے کا بھی ہے کسی شخص کو گانے بجانے والوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل جائے تو رفتہ رفتہ اس کی زبان پر گانے آجاتے ہیں پھر وہ اگر گانا گانے والوں میں شامل نہ بھی ہوا تو گانا سننے والوں میں ضرور شامل ہو جائے گا یعنی اس کی پسند بدل جائے گی یہی اصول ہر میل ملاقات پر لاگو ہوتا ہے اور دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح تاش کھیلنے والے جوئے میں ملوث ہو جاتے ہیں چوری ڈاکہ کرنے والوں کا ساتھ اسی کام میں ملوث کر دیتا ہے، حالانکہ ان کی دوستی سے پہلے وہ ایسا نہیں ہوتا لیکن ان کی مجلس میں رہنا اور انکی باتیں سننا وہ عمل ہے جو اس کے دل کو متاثر کرتا ہے اسکی زبان کو متاثر کر دیتا ہے اور جس طرح دل کی بات زبان پر آتی ہے ویسے ہی جو زبان پر آجائے اس سے دل اثر لے لیتا ہے۔

اللہ کریم نے انسانی فطرت خود بنائی ہے اور اس کی درست تربیت کرنے کے لئے سورۃ فاتحہ جیسی عظیم دعا عنایت فرمائی ہے تاکہ یہ دعا زبان پر رہے اور دل اس سے متاثر ہو اور کردار سدھرے یہ سورۃ فاتحۃ الکتاب ہے کتاب الٰہی کا افتتاح اس سورۃ سے ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے سورۃ فاتحہ پورے قرآن کریم کا ماحصل ہے یعنی قرآن کریم سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کا نچوڑ اس میں جمع کر دیا گیا ہے اور یہ کہ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور بسم اللہ کا خلاصہ اسکی پہلی "ب" میں ہے جو بائے تلبس ہے بائے تلبس کے معنی ساتھ لگانے، چمٹانے، جوڑنے ایک ہو جانے کے ہیں اور بسم اللہ کی بائے تلبس سارے دین کا حاصل ہے۔ دین کا حاصل یہ ہے کہ بندہ بشر ہونے کے باوجود اللہ سے جڑ جائے اللہ کا بندہ بن جائے اللہ کے دامن میں پناہ لے اس کا کوئی کونہ دین سے

باہر نہ رہ جائے یہ بائے تلبس کا مفہوم ہے اور یہی دین کا مقصد ہے۔قرآن حکیم میں بے شمار دعاؤں کے مذکور ہونے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کی تعلیم کردہ دعائیں زبان پر جاری ہوں اور ان کا ماحصل دل تک جا پہنچے ان دعاؤں میں سے سورۃ فاتحہ کو اللہ کریم نے اتنی اہمیت دی ہے کہ صلوٰۃ کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا صلوٰۃ کا رکن ٹھہرا دیا ہے۔ جس رکعت میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی وہ رکعت ادا نہیں ہوتی اس صلوٰۃ میں قرات جہری ہو یا سری امام زبان سے پڑھے یا دل میں پڑھے نماز کے فرض پڑھے یا سنت ونفل اس کے بغیر کوئی رکعت ادا نہیں ہوتی اللہ کریم جس بات کو بندے کے لئے بہت پسند کرتے ہیں اُسے بندے پر لازم کر دیتے ہیں اس لئے کہ وہ بات بندے کے لئے انتہائی مفید ہوتی ہے اور اس کی بہت بڑی ضرورت ہوتی ہے۔سورۃ فاتحہ میں پڑھنے والے کے لئے شفاء بھی ہے اور خیرو برکت بھی یہ بیماروں کا بہت اچھا علاج بھی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ چند صحابہ کرام دور کے سفر پر تھے راستے میں خانہ بدوش لوگوں کا قبیلہ خیمہ زن تھا انہوں نے اپنی ایک مشکل صحابہ کے سامنے رکھی کہ اُن کے ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا تھا انہوں نے جڑی بوٹیوں سے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا وہ چاہتے تھے کہ صحابہ کرام چہرے بشرے سے نیک لوگ نظر آتے ہیں اس لئے کوئی دم کر دیں۔ایک صحابی نے اسے دم کر دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا خانہ بدوشوں نے احساس تشکر کے اظہار کے لئے انہیں چند بکریاں پیش کیں۔صحابہؓ کو علم نہیں تھا کہ دم کی اجرت لی جا سکتی ہے یا نہیں اس لئے کہ انہوں نے تو فی سبیل اللہ ان لوگوں کی مدد کی تھی آپس میں مشورہ کر کے طے پایا کہ بکریاں حضورﷺ کی خدمت میں پیش کریں گے پھر جیسا آپﷺ حکم فرمائیں۔ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر عرض کی سارا واقعہ سنایا آپﷺ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو دم کرنا کیسے آیا؟ جس شخص نے دم کیا تھا اس نے عرض کی کہ حضور اللہ پاک نے میرے دل میں خیال ڈال دیا اور میں نے سورۃ فاتحہ تین بار پڑھ کر دم کر دیا تھا۔حضورﷺ مسکرائے اور فرمایا اب ان بکریوں میں میرا حصہ رکھ کر باقی آپس میں تقسیم کر لو اس واقعے سے علماء ثابت کرتے ہیں کہ علاج کے لئے ختم قرآن کروانا یا دم کرنا یا نقش دینا ان کو بطور علاج کروانے کے لئے اجرت لینا جائز ہے اسی طرح برکت کے لئے قرآن پڑھنا پڑھانا اور اس پر اجرت لینا درست ہے۔لیکن جو ختم قرآن میت کے ایصال ثواب کے لئے پڑھا جاتا ہے اس پر اجرت لینا ناجائز ہے چونکہ ایصال ثواب کے لئے ثواب حاصل کرنا مقصد ہے جو ثواب ملے گا وہ ایصال کیا جائے گا لہٰذا اگر قرآن پڑھ کر کھانے، کپڑے یا رقم کی شکل میں اجرت لے لی تو پھر میت کو کیا ثواب بھیجے گا۔لہٰذا علاج کے لئے پڑھنے پر اجرت لینا اس لئے جائز ہے کہ یہاں پڑھنے کا مقصد ثواب نہیں بلکہ مقصد علاج ہے اگر کوئی پڑھ کر ثواب پہنچانا چاہتا ہے تو اگر اس نے اجرت لے لی یا کھانا کھا لیا تو اس نے پڑھنے کا بدلہ کھانا کھا کر وصول کر لیا پھر اسے ثواب نہیں ملا تو وہ میت کو کیا بخشے گا۔خیر یہ بات تو ضمنی ہے۔بہر حال مسئلہ بیان ہو گیا

سورۃ فاتحہ وہ دعا ہے جو مومن کے دل کی صدا ہے۔مومن خواہ کسی زمانے یا عہد کا ہو یہ دعا اس کے دل کی تمنا ہوتی ہے اسے تشابہت قلوبھم کہتے ہیں یعنی قلوب کی مشابہت دل ایک جیسے ہوں تو خواہ صدیاں گزر جائیں خیالات ایک جیسے ہوتے ہیں نیکی کی مشابہت بھی ہوتی ہے اور جن قلوب میں بُرائی دھنس چکی ہو ان میں بھی مشابہت ہوتی ہے خواہ وہ مختلف عہد کے لوگ ہوں جب حضورﷺ پر کفار ومشرکین نے اعتراضات کئے تو اللہ کریم نے فرمایا پہلے انبیاء پر اعتراض کرنے والوں کی باتیں بھی یہی تھیں یہ آج کے مشرکین وہی

کچھ دہرا رہے ہیں جو ان سے پہلے کے جھٹلانے والے لوگ کہتے رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب آپس میں مشابہت رکھتے ہیں ان کے خیالات' ذہن اور دل ایک جیسے ہیں اس لئے ان کی زبان پر وہی باتیں آتی ہیں۔

آج بھی ہم یہی مشابہت قلوب دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ آج کے کافر مستشرق اور ملحد ہیں کافر تو وہ ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں اور براہ راست اللہ پر' اللہ کے دین پر' اللہ کی کتاب پر اعتراضات کرتے ہیں اور ملحد وہ ہیں جو بظاہر اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں لیکن دین پر اعتراضات کرتے ہیں دین کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور عمل بھی دین کے خلاف کرتے ہیں لیکن ذرا سی احتیاط کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کا رسول ﷺ کا نام لیکر اعتراضات نہیں کرتے بلکہ تعلیماتِ رسالت اور تعلیمات کتاب کے بارے اس طرح کے جملے کہتے ہیں "شریعت کے مطابق کام نہیں ہو سکتے"۔ "یہ کرنا ممکن نہیں" "ایسا ہو نہیں سکتا" یہ مناسب نہیں۔ ان اعتراضات کو اگر یکجا کیا جائے اور گزرے ہوئے کفار وملحدین کے اعتراض اکٹھے کئے جائیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ صرف مفہوم وہی ہوتا ہے بلکہ الفاظ تک وہی ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کے قلوب میں کفر کی ایک مشابہت جیسی ہوتی ہے۔ پہلوں کو بھی شیطان سکھاتا ہے اور دوسروں کو بھی شیطان ہی سکھاتا ہے لہذا دونوں کے دل ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی مومن کے قلب کا خاصہ ہوتی ہے جو بات اللہ کو پسند ہے وہی مومن کو بھاتی ہے تو فاتحہ الکتاب میں اللہ کریم نے وہ دعا سمو دی ہے جو ہمارے لئے دوا بھی ہے اور اسے پڑھنا اتنا ضروری قرار دیا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازمی ہے لفظ نماز اور لفظ خدا یہ دونوں عربی کے الفاظ صلوۃ اور اللہ کا فارسی ترجمہ ہیں اور دونوں لفظ استعمال کرنا درست نہیں لیکن کثرت استعمال سے غلط العام ہو چکے ہیں۔

دراصل قرآن کریم کا ترجمہ جب فارسی میں ہوا تو وہاں کے نومسلم خاصے تعلیم یافتہ تھے اسی لئے انہوں نے اسلام لانے کے بعد دین سیکھنے سکھانے میں بہت محنت کی چوٹی کے محدثین فارس کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے تزکیہ کا ترجمہ تصوف کیا اور صلوۃ کا ترجمہ نماز' نماز دراصل آتش پرستوں کی عبادت کا نام ہے ایران میں آگ کی پوجا کی جاتی تھی وہاں صدیوں آتش کدہ روشن رہا۔ جہاں صدیوں آگ جلتی ہے وہاں سمندر نامی ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے جو آگ ہی میں زندہ رہتا ہے۔ ایران کے آتش کدے میں وہ پایا گیا کہیں اور ایسا نہیں ہوا۔ تو یہ آتش پرست آگ کے گرد نہایت خشوع وخضوع سے بیٹھ کر آگ کی طرف متوجہ رہتے تھے اور اس کام میں عمریں صرف کر دیتے تھے اس پوجا میں شیطان ان سے بہت تعاون کرتا اس متوجہ ہو کر بیٹھنے کو وہ نماز کہتے تھے اس لئے صلوۃ ہی کہنا چاہیے اور نماز کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی طرح انہوں نے اللہ کے بجائے خدا کا متبادل لفظ استعمال کیا فارسی آتش پرست دو خداؤں کو مانتے تھے ایک نیکی کا خدا ایک بُرائی کا خدا۔ لہٰذا خدا کہنا بھی غلط ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا ذاتی نام صرف اللہ ہے اس کا کوئی ترجمہ نہیں ہو سکتا لیکن انگریزی میں بھی اسم ذات اللہ کا ترجمہ God کیا گیا ہے وہ بھی غلط ہے اس لئے کہ God مذکر ہے اور Godess اس کا مونث ہے۔ ہندی میں دیوتا کہتے ہیں لیکن دیوتا کی دیوی بھی ہوتی ہے واحد ولاشریک رب ایک ہی ہے وہ ہے اللہ اور اللہ ان چیزوں سے پاک ہے بلند تر ہے۔ میں ان تمام الفاظ کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتا ہوں لیکن "اسرار التنزیل" میں بھی کاتب کی غلطی سے یا کسی اور کی غلطی سے جگہ جگہ خدا ہی لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ حالانکہ لفظ خدا اللہ جل شانہٗ کی نمائندگی نہیں کرتا یہ نہ اس کی ذات میں آتا ہے

نہ اسکی صفات میں اللہ کے قرآن حکیم میں ننانوے صفاتی نام ہیں ان میں سے کوئی نام بھی خدا نہیں ہے۔

سورۃ فاتحہ کی عظمت یہ ہے کہ صلوٰۃ کی ابتدا ہی اللہ کی حمد سے ہوتی ہے ثناء سے ہوتی ہے لیکن پھر بھی جو عظمت باری تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

سورہ فاتحہ کی ابتدا ہی اس حقیقت کے اقرار سے ہوتی ہے کہ تمام خوبیاں اور تمام کمال صرف اللہ کے لئے ہیں باقی ساری کائنات میں جو کچھ ہے وہ رب العالمین کا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے کسی میں کوئی خوبی یا کمال ہے تو وہ اسی کی عطا ہے جیسے تصویر کی تعریف دراصل مصور کی تعریف ہے اور کسی تعمیر کی تعریف درحقیقت معمار کی تعریف ہے سو مخلوق میں جو کمال بھی نظر آئے گا وہ بالواسطہ تعریف اللہ ہی کی ہوگی۔ الحمدللہ تمام تعریفیں' ساری کمالات اور ساری خوبیاں صرف اللہ ہی کو سزاوار ہیں اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے تمام جہانوں کا پالن ہار ہے الرحمٰن بہت رحم کرنے والا ہے الرحمٰن صفت باری ہے لیکن اس کا اظہار وقتی ہے اس کے ظہور کا مقام دنیا ہے دنیا ناپائیدار ہے دائمی نہیں اس لئے رحمانیت کا ظہور ناپائیدار دنیا کے وقتی عرصے میں ہوتا ہے اسی لئے تمام کافر' بے دین اللہ کی بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ رحمانیت باری عام ہے جب تک قیامت قائم نہیں ہو جاتی اللہ ہر ایک کو بے شمار نعمتوں سے بہرہ ور فرما تا رہے گا یہ رحمانیت ہی ہے کہ وہ تمام ناشکروں کو زندگی' صحت' اولاد' مال واقتدار اور ان گنت نعمتوں سے نواز رہا ہے اور سب کو پال رہا ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے اللہ کے رحمٰن ہونے کا اظہار ہوتا رہے گا دنیا ختم ہوگی تو اس صفت کا اظہار بھی ختم ہو جائے گا۔

الرحیم یہ فعیل کے وزن پر ہے اس وزن میں جتنے اوصاف آتے ہیں ان میں دوام ہوتا ہے جیسے علیم' حکیم یعنی علم علیم کی دائمی صفت ہے دانائی حکیم کی دائمی صفت ہے اسی طرح جس پر ہمیشہ اللہ کی رحمت ہو' جو اللہ کی رحمت سے ہمیشہ مستفید ہو' دار دنیا ہو یا دار آخرت ہر جگہ اللہ کی رحمت پانا یہ صرف مومنین کا حصہ ہے' الرحیم میں دوام ہے ہیشگی ہے۔ ہمیشہ کے لئے رحمت ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ قیامت کے بعد اظہار رحمانیت نہیں رہے گا اظہار رحمیت ہوگا اور اُن کے لئے ہوگا جنہوں نے دار دنیا میں خود کو اس کے لئے اہل ثابت کیا ہوگا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے **الرحمن لالدنیا والرحیم الاخرۃ** رحمٰن دنیا کے لئے ہے اور رحیم دونوں جہانوں کے لئے کہ نور ایمان رحمیت ہے' نیکی کی توفیق رحیمیت ہے جو اسے دنیا میں حاصل کرے گا یہ اس کے ساتھ دنیا' موت' برزخ' حشر اور ابدی زندگی میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی۔ بڑے خوش قسمت ہیں جنہیں رحمت الٰہی سے کوئی ذرہ نصیب ہو جائے۔

دار دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی ملکیت کا دعوی دار ہے کوئی اعلیٰ گھروں کا مالک ہے تو کوئی چند جوڑے پرانے کپڑوں کی ملکیت کا دعویٰ رکھتا ہے' قوت واختیار کا مالک ہے یا اپنے وجود کی ملکیت کا احساس رکھتا ہے کسی نہ کسی چیز کا مالک تو ہر کوئی ہے اور اپنی ملکیت کا دعویٰ یہاں ہر ایک کر رہا ہے جبکہ دنیا میں بھی ہر چیز کا مالک حقیقی صرف اللہ ہے لیکن اللہ کی دی ہوئی مہلت میں اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کو استعمال کر کے ہر انسان ملکیت کا مدعی بنا بیٹھا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب بڑے بڑے بھی کسی ملکیت کے دعویدار نہ رہیں گے جب یوم الدین ہوگا تو حقیقت کھلے گی کہ بادشاہت تو صرف مالک حقیقی ہی کو زیبا ہے باقی سب بے ملک ہیں کسی کی کوئی ملکیت نہیں ساری زندگی مخلوق ملکیت کے غلط دعوے کرتی رہی۔ دنیا میں اللہ نے ایک نظام بنایا اور خود ہی اختیار واقتدار تقسیم فرما دیا کسی کو کسی شئے پر دوسری کو کسی دوسری شئے پر وقتی اور عارضی ملکیت دے دی اس نظام

کائنات کو جاری رکھنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے اللہ نے مالک بنا دیا تو بندے کو اپنی حیثیت نہ بھولے تو یہی ملکیت شکر کا باعث بن جاتی ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے نعمتیں عطا کر کے اپنے بندوں کی محتاجی سے بچالیا اور اپنا بندہ بنالیا۔

جو اللہ کے نظام پر غور وفکر کرتا ہے وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے کہ مالک حقیقی صرف اللہ ہے ہم کاشتکاروں کے پاس ہزاروں مربع زمین ہی ہمارا بینک بیلنس ہوتا ہے کسی کے پاس دو چار ایکڑ ہو یا یا چالیس پچاس ایکڑ جب تک دنیا میں ہوتا ہے وہ مالک کہلاتا ہے پھر مالک چلا جاتا ہے اور ملکیت یہیں رہ جاتی ہے۔ آج جو زمینیں ہمارے پاس ہیں وہ پہلے پتہ نہیں کس کی ملکیت میں تھیں ہمارے بعد پتہ نہیں کس کے پاس ہوں گی۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے مان لیا جائے تو ملکیت بھی شکر کا باعث بنتی ہے اور بھلا دیا جائے تو بندہ اکڑتا ہے اور غلط فیصلے کر کے اپنی عارضی ملکیت کو ذاتی کمال سمجھ کر اللہ کی پکڑ میں آجاتا ہے جیسے زمیندار اس ڈر سے بہنوں' بیٹیوں کی شادیاں نہیں کرتے کہ داماد کو زمین میں سے حصہ نہ دینا پڑے یا شادی سے پہلے انکی زمین اپنے نام کروا لیتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرنے سے پہلے زمین بیٹوں کے نام یا کسی اور کے نام منتقل کر دیتے ہیں تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے یا خاندان کے نااہل اور بے جوڑ لڑکوں سے لڑکیوں کی شادیاں محض اس لئے کرتے ہیں کہ زمین خاندان سے باہر منتقل نہ ہو۔ یہ سب جہالتوں کے مظاہر ہیں۔ جائیداد ہو یا زمین یہ اللہ کے حکم کے تحت ہی کسی کے پاس رہتی ہے یا چلی جاتی ہے۔ انسانی فیصلے اس کا سبب بنتے ہیں اور یہی فیصلے اطاعت الٰہی میں کر کے اللہ کی دائمی رحمت کو حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اطاعت الٰہی سے باہر رہ کر فیصلے کرنے سے رحمت الٰہی سے خود کو محروم کرنے کا سبب بنتے ہیں تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ جو چیزیں اللہ نے عطا کی ہیں انہیں شریعت کے مطابق استعمال کیا جائے اُن سے فائدہ اٹھایا جائے اور دل کو مال کی محبت میں اٹکا رہنے نہ دیا جائے مال اللہ کا ہے جس کو بعد میں دینا چاہے گا دے دے گا۔ اسی طرح مکان ہو فیکٹری ہو دکانیں ہوں یا روپیہ پیسہ اس پر اللہ کی حقیقی ملکیت کو دل سے قبول کرلیا جائے تو دنیا بھی پرسکون اور آخرت بھی کامیاب ہوگی۔

مالک یوم الدین اس حصہ آیت سے پہلے تک واحد متکلم ہے اور بندہ اللہ کریم سے ہمکلام ہے اور اللہ کی تعریف بیان کر رہا ہے اس کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار کر رہا ہے کہ یکا یک واحد متکلم سے جمع متکلم ہو جاتا ہے مالک یوم تک تو واحد متکلم ہے آگے ایاک نعبدُ سے جمع متکلم میں آ گیا۔ یہاں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ رہو۔ اللہ سے دعا کرتے ہوئے خود کو اُن میں شامل کرلو اللہ کے مقربین کیساتھ شامل ہو جاؤ پہلے صرف اپنی بات کر رہا تھا پھر خود کو جب ہم سب کے ساتھ ملایا تو اس ''ہم'' میں انبیاء ورسل حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کبار شہدا و صلحا ملائکہ اور اللہ کے وہ تمام بندے شامل ہیں جو حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک آئے گزر چکے اور جو آج روئے زمین پر موجود ہیں یا وہ مخلص لوگ جو آئندہ آئیں گے۔ تو دعا کا یہ سلیقہ سکھایا جا رہا ہے کہ خود کو ان مقربین بارگاہ کے ساتھ شامل کرلو اور کہو اے اللہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جہاں بندے کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے مخلص بندوں میں خود کو شامل کر لیتا ہے وہاں ایک ذمہ داری بھی اس پر عائد ہو جاتی ہے کہ اب وہ خلوص سے عبادت بھی کرے اور اپنے اس دعوے کو اپنی طرف سے نبھانے کی کوشش بھی کرے۔ اللہ کے مخلص بندوں کو بدنام کرنے کا سبب نہ بنے۔

حضرت اس ضمن ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بہروپیا اورنگ

زیب عالمگیر کے دربار میں کسی بہروپ کو اختیار کر کے حاضر ہوا اور انہوں نے بہروپیے کو پہچان لیا بہروپیے نے شکست کھا کر اسے اپنے لئے چیلنج سمجھا اور وعدہ کیا کہ اب جو بہروپ وہ بھرے گا بادشاہ اس کو پہچان نہ سکیں گے بادشاہ نے کہا اگر تم نے ایسا کر لیا تو تجھے دو ہزار اشرفی انعام میں دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ بہروپیا وہاں سے چلا گیا جنگلات میں ایک جگہ جھونپڑی ڈال کر بیٹھ گیا خود کو لوگوں سے تنہا کر لیا چھپ کر کھا پی لیتا بظاہر نہ کھاتا پیتا نہ بات کرتا تھا پہلے پہل اسے لکڑیاں کاٹنے والوں نے دیکھا پھر لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے آنے لگے کہ کوئی اللہ کا ایسا بندہ ہے جو کھاتا ہے نہ پیتا ہے بس اللہ سے لو لگائے بیٹھا ہے۔ بادشاہ شکار کے لئے جنگل پہنچا تو یہ شہرت بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچی اس نے اپنے امراء کو سونا چاندی اور بہت سی اشرفیاں دے کر اس کے پاس بھیجا انہوں نے وہ مال، بادشاہ کی طرف سے نذرانہ پیش کیا اس نے وہ سامان اٹھا کر پھینک دیا اور اُن سے بات تک نہ کی امراء نے یہ رپورٹ دی کہ وہ دولت کے چکر میں آنے والا نہیں ہے۔ سلطان نے سوچا ایسے شخص کی تو زیارت کرنی چاہیے۔ بادشاہ ملاقات کے لئے گیا تو بھی وہ ویسے ہی بیٹھا رہا جب بادشاہ اُٹھ کر جانے لگا تو پیچھے سے بہروپیے نے آواز دی کہ بادشاہ سلامت آپ مجھے پہچاننے سے قاصر رہے ہیں لہٰذا اپنے وعدے کے مطابق دو ہزار اشرفیاں دیتے جائیے۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا جو مال میں نے تمہیں اُمراء کے ذریعے بھیجا تھا وہ دو ہزار اشرفیوں سے زیادہ تھا تو وہ دولت رکھ لیتا تیرا فقیری کا بھرم بھی رہ جاتا اور آئندہ بھی میں تیری خدمت میں تحائف بھیجتا رہتا؟ اس نے عرض کی بادشاہ سلامت میں نیک نہ سہی لیکن میں نے نیکوں کا لبادہ اوڑھ لیا تھا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اللہ کے نیک بندوں کی بدنامی کا سبب بنوں یہ بہروپ بھرنا تو میرا پیشہ ہے لیکن اگر میں اولیاء کے لبادے میں دولت جمع کرنے پر لگ جاتا تو پھر میں اللہ کے نیک بندوں کی بدنامی کا سبب بنتا مجھے اس بات سے اللہ سے حیا آئی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اتنی حیا تو اس عہد کے بھانڈوں میں بھی تھی۔

یہی قانون یہاں لاگو ہوتا ہے کہ جب اللہ کریم ہمیں یہ رعایت دے رہے ہیں کہ تم بھی میرے محبوب بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ تو پھر بندے کو بھی یہ احساس ہونا چاہیے کہ اس نے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو اللہ کے مقربین میں شامل کر کے کہا ہے ایاک نعبدُ تو اب اس کا کردار کیسا ہونا چاہیے۔ اب اسے اپنی پر خلوص کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بھی اس ضابطے سے باہر نہ نکلے جو اللہ کے نیک بندوں کا ہے۔ سورۃ فاتحہ جہاں دعا کا سلیقہ ہے وہاں زندگی سنوارنے کا نسخہ بھی ہے یہ دعا ہمیں زندگی کو باعزت طریقے سے گزارنے کا یہ اصول سکھاتی ہے کہ صرف اللہ سے مدد مانگی جائے۔ اب اگر بندہ اللہ سے یہ وعدہ کر کے غیر اللہ کی خوشامد میں لگ جائے اور غیر اللہ سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کی مشکلیں حل کریں گے تو پھر بات تو کچھ اور کہی اور کرنے کچھ اور لگے تو یہ عمل بجائے خود گناہ ہوگا جرم ہوگا۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ بندہ باوضو ہو کر قبلہ رو اللہ کے حضور کھڑا ہو کر بالمشافہ رب العالمین سے عرض گزار ہے کہ ہم سب صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد کے طلبگار ہیں اور پھر اس کے کردار میں عملی زندگی میں اس کی جھلک نظر نہ آئے تو یہ گناہ تو اپنی جگہ گناہ ہے اس دعوے سے پھر جانا ایک الگ جرم بن جائے گا۔ اس گستاخی کی سزا اللہ کریم دیتا ہے یا معاف کرتا ہے یہ معاملہ تو اس کے ہاتھ میں ہے لیکن بندہ تو اپنی طرف سے یہ منافقت کر گیا۔ ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں جو خود کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتے ہیں اور ادائیگی صلوٰۃ نہیں کرتے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ تو وصول الی اللہ کا ایک

طریقہ ہے۔ جب بندہ واصل ہو گیا تو پھر اسے اسکی کیا ضرورت ہے۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام نے اور خود نبی ﷺ نے تو صلوٰۃ کبھی نہیں چھوڑی تو کہتے ہیں انکی بات چھوڑو اپنی بات کرو۔ حالانکہ یہ کہنا کہ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں یہ صریح کفر ہے اور بندہ جب ایاک نعبد و کہتا ہے کہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو پھر اس کے پاس عبادت نہ کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

وایاک نستعین ۔یعنی اطاعت الٰہی سے نکل کر کسی دوسرے سے امید وابستہ نہیں کر سکتے۔ **اھدنا الصراط المستقیم** . اے اللہ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پچھلی آیات میں اللہ ہی سے مدد مانگی جارہی ہے اسی کی عبادت کی جارہی ہے تو سیدھے راستے پر تو پہلے چل رہے تھے اب دوبارہ یہ فرمانے سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہے ہدایت کے درجے۔ چونکہ ہدایت قرب الٰہی کو پانے کا راستہ ہے اور قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں انسان قرب الٰہی میں ترقی کرتا چلا جائے اور ابدالآباد اس کی ترقی ہوتی رہے تو کہیں کوئی ایسا مقام نہیں آئے گا جہاں اختتام ہو اور آگے اللہ کریم تشریف فرما ہوں اور بندہ اس کے پاس حاضر ہو جائے۔ ایسا نہیں ہوگا قرب الٰہی کے منازل کبھی ختم نہیں ہوں گے حتیٰ کہ جنت میں بھی ہر آنے والا لمحہ پہلے سے بہتر لذتیں لائے گا۔

یہاں طلب صراط مستقیم کی ہدایت کے معنی ہیں اللہ کی طلب کی لذت میں ترقی کرتے رہنا کہ اللہ کریم مجھے سیدھے راستے پر مسلسل چلائے جا۔

صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا تیرے مقبول بندوں کا راستہ تیرے حبیب ﷺ کا راستہ تیرے نبی ﷺ کے جانثاروں کا راستہ شہدا اور صالحین کا راستہ۔ اے اللہ اُن لوگوں کے راستے سے مجھے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کافر، مشرک حق کو قبول نہ کرنے اور حق کا انکار کرنے کے باعث گمراہ ہیں اور ان پر غضب الٰہی ہے۔ وہ مغضوب ہیں اور دوسرے راستے پر چلنے سے بھی بچالے جو ضالین کا راستہ ہے جنہوں نے دعویٰ ایمان تو کیا لیکن عملاً سارا دین اپنی مرضی سے بدل دیا اور گمراہی میں چلے گئے جیسے یہود و نصاریٰ اپنے دین دار ہونے کے دعویدار ہیں لیکن اپنی اپنی مرضی کر کے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اپنی مرضی سے دین بناتے ہیں اس پر عمل کر کے خود کو دیندار سمجھتے ہیں۔

اُمت مرحومہ میں بھی ایسے بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرنے کی بجائے خود دین کے نام پر چیزیں ایجاد کر لیں کرتے چلے جارہے ہیں اور ان میں آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں اور پھر بھی خود کو حضور ﷺ کے دین پر عمل پیرا سمجھتے ہیں یہ ضالین یعنی گمراہوں کا راستہ ہے جس سے بچنے کی دعا سکھائی جارہی ہے۔

سورۃ فاتحہ کو اسی لئے قرآن حکیم کا حاصل کہا جاتا ہے کہ سارے قرآن کا حاصل یہی ہے کہ انسان عظمت الٰہی سے آشنا ہو جائے اس کا عقیدہ درست ہو جائے وہ صرف اللہ کی عبادت کرے صرف اسی کی رضا چاہے اسی کی مدد چاہے اور ہمیشہ اسی میں آگے بڑھتا رہے اور یہی تمام باتیں سورۃ فاتحہ میں دعا کی صورت میں اللہ سے مانگنے کو کہا گیا ہے اور اسی کی روشنی میں عملی زندگی گزارنے کی رہنمائی دی گئی ہے۔

اتنی عظیم الشان دعا ہو اتنا خوبصورت لائحہ عمل ہو اور مسلمان ستر اسی سال اسے صلوٰۃ کی ہر رکعت میں دہراتا رہے لیکن اسے پتہ ہی نہ ہو کہ وہ اللہ سے کیا وعدے کر رہا ہے؟ کیا مانگ رہا ہے؟ تو وہ کس لائحہ عمل کے مطابق زندگی گزارے گا۔ اللہ کریم توفیق دے تو سورۃ فاتحہ

کے معنی سمجھ کر صلوٰۃ کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ دوران صلوٰۃ اوھام کا علاج بھی یہی ہے کہ جانا جائے کہ ہم زبان سے کیا کہہ رہے ہیں ترجمہ آتا ہو اور بندہ اللہ کی طرف سے دل سے متوجہ ہو تو سمجھ آتی ہے اور بندہ متوجہ ہو کہ اللہ کی عبادت کرتا ہے تم کم از کم اتنا تکلف ہمیں ضرور کر لینا چاہیے کہ جو الفاظ ہم صلوٰۃ کی ہر رکعت میں دہراتے ہیں کم از کم ان کا ترجمہ تو ہم یاد کر لیں ایک حد تک ان کے مفہوم سے آگاہی ہو اللہ کرے بات سمجھ آئے اور اس پر عمل کرنے کو جی چاہے اور یہ احساس زندہ ہو جائے کہ ابھی ابھی باوضو قبلہ رو ہو کر اللہ کی اطاعت کا وعدہ کر کے آیا ہوں تو اب میں عملی زندگی میں کیا کرنے چلا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ سب کو یہ احساس عطا کرے اس کے حصول کے لئے محنت کو ارزاں کرے پڑھنے سمجھنے کی توفیق دے اور ہماری کمزور عبادتیں قبول فرمائے۔

دارالعرفان کا یہ ٹکڑا زمین بہت خوش نصیب قطعہ زمین ہے جہاں اللہ کے پیارے بندوں کے سجدے ہوئے حضرتؒ نے اس کی بنیاد رکھی حیرت ہوتی ہے حضرتؒ کے تربیت یافتہ لوگوں کی بصیرت پر۔ بنیادیں کھودنے کے لئے انجینئر نے جو لکیر لگائی اسے دیکھ کر قاضی صاحب فرمانے لگے یہ لائن عین سمت کعبہ سے ذرا ہٹ کر لگی ہے اسے درست کر لیجئے۔ اسے درست کر لیا گیا پھر فرمانے لگے مجھے نظر آتا ہے کہ یہ مسجد بعد میں کم پڑ جائے گی یہاں عمارت کی بہ نسبت لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوگا اس وقت چند افراد تھے اور یہ سوچنا بھی عجیب لگتا تھا۔ اس دفعہ اجتماع میں پھر جگہ کم پڑ گئی اس سے پہلے مسجد ہر طرف سے وسیع کی گئی ہے برآمدہ بنا پھر صحن پھر صحن پر چھت پھر دوسری چھت اس اجتماع میں اندازہ ہوا کہ اب شاید عمارت کو کسی اور طرف سے بڑھانا پڑے گا۔ قاضی صاحب کی بات یاد آ گئی نجانے اللہ کے کتنے طالب یہاں آئیں گے اور زمین کے اس ٹکڑے کے کیا نصیب ہیں یہاں لوگوں کو فنا فی الرسول نصیب ہوا کتنے لوگوں کو روحانی بیعت نصیب ہوئی' کتنوں کو بلند مناصب نصیب ہوئے کتنوں کو زندگی بدلنے اور نیکی اختیار کرنے کا حوصلہ ملا کتنے لوگوں کی صحیح تربیت ہوئی کتنوں نے دین پڑھا دین سیکھا اور کتنی زندگیاں بن گئیں یہ ایک ویرانہ تھا' جنگل تھا یہاں اللہ کے ایک بندے نے بنیاد رکھی تو یہ ایک عجیب شہر بس گیا۔ دردِ دل بٹنے کا شہر درد دل کے طالبوں کا شہر۔ یہ اس کا احسان ہے ورنہ ہم اس قابل نہ تھے نہ ہماری کوئی حیثیت ہے نہ ہم سے کچھ ہو سکتا ہے اور ہم نے کیا بھی کچھ نہیں۔ یہ محض اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس سے وابستہ کر دیا۔ اللہ کریم ہماری یہ نسبت قائم رکھے اسی پر زندہ رکھے اسی پر موت نصیب فرمائے اور ہمارے اس حال کو برزخ میں قبر میں سلامت رکھے اور اپنے بندوں کیساتھ شامل رکھے۔

دودھ دوا بھی ہے اور غذا بھی بعض لوگوں کے حق میں دودھ بھی زہر بن جاتا ہے یہاں بہت لوگوں کو ہدایت بھی نصیب ہوئی اور جنہیں بدہضمی ہوئی ان کا انجام بھی ہم دیکھتے رہے۔

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

جو یہاں سے اٹھتے ہیں پھر وہ اُٹھ ہی گئے تو دونوں طرف عبرت نگاہ کیجیے۔ اس میں ترغیب بھی ہے تربیت بھی۔ نیکی کی طرف بڑھنے کے لئے آسانی بھی ہے اور دوسری طرف عبرت کا سامان بھی۔ اللہ کریم سے دعا کرتے رہیے کہ اللہ ان محفلوں کو قائم رکھے اور ہمیں اس میں شامل رکھے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆

زکوۃ جمع کرنے کا طریقہ

زکوۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حکومت اسے جمع کرے اور اس میں سے اپنے سارے اخراجات پورے کرے، فوجی ضرورتیں پوری کرے، ہسپتال بنائے، درس وتدریس کے ادارے بنائے، غریبوں کو الاؤنس دے، جو معاشرے کے پسماندہ لوگ ہیں ان کی امداد کرے۔ سو جتنے مستحقین زکوۃ قرآن حکیم نے لکھے ہیں، وہ سارے اس میں آجاتے ہیں۔ مفلسوں کی دیکھ بھال کی جائے، بچوں کی مفت تعلیم زکوۃ سے کی جائے۔ بیماروں کا علاج مفت کیا جائے۔ اگر پورے ملک کی زکوۃ جمع ہو کر حکومتی اخراجات سے کم پڑتی ہے تو پھر

ماخوذ از "اکرم التفاسیر"

تعاون

احمد دین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-2667571

سوال:- مراقبہ سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن کی حقیقت کیا ہے؟

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 06-10-2007

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنیادی بات یہ ہے کہ تمام مراقبات کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے اُن کا مقصد اعمال میں اخلاص، خشوع اور خضوع پیدا کرنا ہے۔ اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ انسان جسے شریعت کے اعمال کا علم ہے اور وہ اس کے مطابق اعمال کرتا ہے خواہ اسے ان اعمال سے رغبت ہو یا نہ ہو اس کا دل آمادہ ہو یا نہ ہو تو یہ عمل خشوع میں کمی کے ساتھ ہوگا اور نہ کرنے سے یہ بھی بدرجہا بہتر ہے لیکن شریعت مطہرہ کا تقاضا یہ ہے کہ عمل بھی ہو اور اخلاص وخشیت کے ساتھ ہو تو تصوف وتزکیہ ذکر اذکار ومراقبات ہے ہی یہ کہ عمل بالشرع ہو اور خلوص وخشیت اور خضوع کے ساتھ ہو۔ لہٰذا سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن کے مراقبات کا انسان کی عملی زندگی پر اثر یہ ہے کہ نماز میں اور تلاوت قرآن میں خشوع اور خضوع بڑھ جائے۔ ان مراقبات کے اثر سے ان اعمال میں دلچسپی بڑھتی ہے اور آدمی پورے اطمینان کیساتھ ارکان بھی ادا کرتا ہے اور دل سے اس میں مشغول بھی ہوتا ہے۔ جہاں تک حقیقت صلوٰۃ اور حقیقت قرآن کا تعلق ہے یہ بہت ہی بلندی کی بات ہے۔ سیر کعبہ سیر صلوٰۃ، سیر قرآن تو مراقبات ثلاثہ کے بعد بھی کرائے جاسکتے ہیں۔ لیکن حقیقت کعبہ عالم امر کے بہت سے دوائر کے بعد آتا ہے۔ حقیقت کعبہ، حقیقت صلوٰۃ اور حقیقت قرآن کی کیفیات وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں وہ نصیب ہوتا ہے اور اس کی حقیقت ایک عام شخص کو بتانے کی مثال ایسی ہے جیسے نرسری کے بچے کے سامنے ایم اے کے کورس کی کتاب کھول کر رکھی جائے اور بتانے والا بچے کو اسکی وضاحت کرے۔ ایسا کرنے سے نہ تو بچے کو کچھ سمجھ آئے گی نہ ہی سمجھانے والا کچھ سمجھا سکے گا۔ لہٰذا یہ ایسے بلند مقامات ہیں کہ جنکو نصیب ہوتے ہیں اُن پر بھی ان کی حقیقت بہت عرصے بعد منکشف ہوتی ہے۔ چودہ صدیوں میں تبع تابعین کے بعد وہاں تک بہت کم لوگوں کو اللہ نے رسائی دی ہے اس لئے ان کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں۔

سیر قرآن وسیر صلوٰۃ کی وضاحت کے لئے یہی کافی ہے کہ ان مراقبات کا حاصل نماز اور تلاوت قرآن میں خشوع وخضوع کا حصول ہے اور اگر مراقبات بھی ہوں اور عملی زندگی اتباع سنت میں نہ آئے پہلے کی نسبت کردار کھرا نہ ہو تو مراقبات سے پھر کیا حاصل ہوا جیسے اس آدمی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا جو حج اور عمرے کے لئے جا کر پھر ویسا ہی واپس آجاتا ہے جیسا کہ گیا تھا عمرہ اور حج سے پہلے جو غلطیاں کر رہا تھا وہی غلطیاں پھر کرتا ہے حج پر جا کر وہاں بھی جھوٹ بول لیتے ہیں دھوکہ کر لیتے ہیں تو پھر حج کا کیا فائدہ ہوا؟ حج تو ایسی عبادت تھی کہ زندگی کو کلی طور پر بدل دے اسی طرح مراقبات ایمان ویقین کی مضبوطی پیدا کرنے کے لئے کروائے جاتے ہیں اور جنہیں یہ مراقبات نصیب ہوں انکی عملی زندگی سدھرتی ہے اور عملی زندگی کے سدھرنے پر آخرت کا اجر مرتب ہوتا ہے سو عبادات میں اخلاص وللّٰہیت ہی ان کی جان ہے اور وجہ مقبول بارگاہ بھی یہی ہے اور آخرت کا اجر جسے نصیب ہوگا اسکی عملی زندگی اس پر گواہ ہوگی۔

امن وسلامتی کی تلاش

محمد جہانگیر خان

انسان کی فطرت' مزاج' اُس کا ذوق وشوق' اُس کی پسند و ناپسند اُس کی جستجو اُنہی چیزوں کی طرف ہوتی ہے' جن کی طرف وہ اپنے ماحول اور معاشرے کو گامزن دیکھتا ہے۔ انسان کا پہلا ماحول اُس کی ماں ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کی بنیادیں اپنی ماں کے کردار سے رکھتا ہے۔ اچھی اور نیک ماں کی گود میں پلنے والے بچے کی بنیادیں سیدھی اور مضبوط ہوتی ہیں پھر وہ اپنے باپ سے سیکھتا ہے۔ والدین کا نیک اور ایک ہونا کامیاب اور اچھا انسان بننے کیلئے بچے کیلئے سنگ میل ثابت ہوتا ہے۔

شیطان چونکہ نسل انسانی کا دشمن ہے صرف مسلمانوں کا نہیں کافروں کا بھی دشمن ہے سب کو ہی تباہ کرنا چاہتا ہے۔ نسل انسان جہاں سے پروان چڑھتی ہے وہ پہلا حملہ ہی بنیاد پر کرتا ہے میاں اور بیوی کے درمیان جھگڑا کرانا' آج یہ ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے میاں بیوی کی لڑائی' علیحدگی پھر طلاق' خاص کر ان ترقی یافتہ ملکوں میں یہ مصیبت بہت بڑھ گئی ہے۔ بڑے شوق سے شادیاں کرتے ہیں ایک ایک دوٗ دو تین تین بچے ہوتے ہیں' لڑائی جھگڑے اور طلاقیں ہو جاتی ہیں معصوم بچے درمیان میں رُل جاتے ہیں۔

اس کی پہلی اور بنیادی وجہ ان ملکوں کا ظالمانہ معاشی نظام ہے جس نے لوگوں کو سُود کے شکنجے میں جکڑ لیا ہے گھر کے ہر فرد مرد اور عورت کو کام کرنا پڑتا ہے اور بنکوں کی قسط ادا کرنا پڑتی ہے گھر چلانا مشکل ہو جاتا ہے کم از کم ایک مسلمان کو تو سوچنا چاہیے کہ کسی بنک سے کرایہ پر اتنی رقم لیکر مکان لینے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی سے ادھار پیسے لیکر مکان لینا' گاڑی لینا' پھر اُسے ہر ماہ سود ادا کرنا کتنی عجیب بات ہے! کسی سود خور کا گدھا بننے سے بہتر ہے اللہ کا بندہ بن کر جیو' ظالم ہیں وہ لوگ جو اللہ کی مخلوق کا خون پسینہ چوسنے کیلئے بنکوں میں سُود پر پیسہ رکھتے ہیں۔ ہماری آپس کی لڑائی کی دوسری وجہ باہمی بغض اور عداوت ہے۔ یہ کیوں ہوتی ہے؟ وہ مالک جس نے پیدا کیا' انسان بنایا' اپنا نبی ﷺ بھیجا اُن پہ قرآن پاک نازل فرمایا' جنہوں نے ایک خوبصورت زندگی گزارنے کا ہمیں طریقہ وسلیقہ سکھایا۔ اُس کی پرواہ کوئی نہیں کرتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی پرواہ نہیں کرتے تو وہ ہمارے درمیان پیار و محبت کیوں پیدا کریں۔ یاد رکھیں! دلوں میں پیار اور محبت اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہیں۔ جب کسی سے ناراض ہوں تو دلوں میں بغض اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

ترجمہ:-

پس وہ بھول گئے جو اُن کو نصیحت کی گئی تھی سو ہم نے اُن کے درمیان بغض اور دشمنی ڈال دی قیامت تک کے لئے۔ (القرآن)

خاندان کی کامیابی اور فیملی کی سلامتی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے اللہ کی یاد میں ہے۔ یار کبھی آزما کر ہی دیکھ لو۔ کسی دن بیٹھ کر اللہ کو یاد کر کے دیکھ لو۔ سب کچھ دل سے نکال کر اُسے یاد کرو۔ اُس کے شوق میں اُسے یاد کرو' اُس کی طلب میں اُسے یاد کرو' کسی دنیاوی کام کیلئے اُس کے پاس بہت آتے ہیں۔ پوچھے بھی کہ کیا چاہیے تو کہہ دینا کچھ نہیں میں اپنے قریب رکھیے اتباع نبوی ﷺ عطا

کیجئے۔ دونوں جہانوں کی کامیابی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی جوتیوں میں ہے۔ امن اور سلامتی تلاش کرنے والو' کامیابی اور عزت تلاش کرنے والو، زندگی تلاش کرنے والو، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرو۔ جسے دامان محمد رسول اللہ ﷺ مل گیا اُسے زندگی مل گئی کہاں ہم اور یہ دلدل' کہاں وہ بارگاہ ہے جو عرش سے نازک تر۔ کہاں اُن کی پاکیزگی اور عظمت' کہاں ہم غلیظ اور ہماری دنیاوی غلاظت۔

ایک کیڑی سوچ رہی تھی اللہ کا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔ حرم جانا چاہتی ہوں کتنے دریا' سمندر اور پہاڑ ہیں رستے میں کیسے پہنچ سکوں۔ اپنی بے بسی کا سوچ رہی تھی کہ حرم کا ایک کبوتر چگنے کیلئے قریب آ بیٹھا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اُس کے پاؤں سے چمٹ جا۔ کبوتر نے پرواز لی اُسے لیکر حرم آن پہنچا۔ تلاش کریں ہم بھی اُس بارگاہ کے کبوتر کو' پھر ہم اُس کے پاؤں سے چمٹ جائیں اور چھوڑ دیں ہم شیطان کی پیروی کو۔ بے مرشدا' بے استادا' اپنی بڑائی کے زعم میں پھنسا' بدمعاش جن ہے دربار الٰہی سے راندہ ہوا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے نبی کریم ﷺ کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک ہے فرمایا "شیطان کے بس میں ذرا برابر گمراہی نہیں صرف چیزوں آراستہ کر کے دکھاتا ہے اور ہدایت ذرا برابر میرے بس میں نہیں' میں صرف حق کو صاف بیان کر دیتا ہوں"۔

یہ بندے کا اختیار ہے کہ وہ شیطان کی دکھائی جانے والی چمک دمک پر گرتا ہے یا محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں گرتا ہے۔

آیئے ہم سب اتباع نبوی ﷺ شروع کریں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات سے ہر بندے کا کچھ بندوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اُس تعلق کو ایسا بنا دیں جیسا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پسند ہے۔ ہم کسی کے بارے اچھا سوچیں' بھلائی کریں دوسروں کا خیال رکھیں۔ نماز کی قضا ہو سکتی ہے' ظلم و ناانصافی کی قضا نہیں بندوں کے حقوق کی معافی نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا۔ "تقویٰ یہاں ہے"۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور رشتہ یہاں ہے۔

اگر ہمیں اپنے کسی بھائی کا وجود دنیا میں برداشت نہیں ہے۔ کسی مسکین کمزور پر ترس نہیں آتا' دوسروں کا خیال ہم نہیں کرتے اگر دوسروں کے بارے ہماری سوچ خراب ہے تو ہمارا دل بیمار ہے پھر ہمیں چاہیے کہ کسی روحانی معالج سے دل کا علاج کروائیں۔

نماز پڑھنے سے دل نہیں بدلتے، کتابیں پڑھنے سے دل نہیں بدلتے' حج و عمرے کرنے سے دل نہیں بدلتے' چلے کاٹنے سے دل نہیں بدلتے' پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے کسی کے دل کو بدلنا آسان نہیں۔

یہ کام کیا ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے "لوگوں تم دشمن تھے میرے نبی ﷺ نے تمہارے دل محبت سے بھر دیئے۔ تم پہ کیسا انعام ہوا تم بھائی بھائی بن گئے"۔ آج بھی یہ نعمت دربار نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔ آیئے تلاش کریں کسی ایسے بندے کو جو ہمیں بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچا دے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ کریم نے ایسا شیخ نصیب کیا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

..............☆☆☆..............

شریعت کے احکام بیگار نہیں

دنیا ایک وسیع جنگل ہے اور ایک ایسا عجیب جنگل ہے کہ جس میں بے شمار نعمتیں بھی ہیں، بے شمار لذیز اور صحت بنانے والے پھل بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ اس سے زیادہ خوبصورت زہریلے پھل بھی ہیں۔ ایسے جانور ہیں جنہیں دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے لیکن ان میں ایسے خونخوار بھی ہیں جو چیر پھاڑ کر الگ کر دیتے ہیں۔ اب اگر اس بے پناہ وسیع جنگل میں کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ لئے اسے ہر کانٹے سے بچائے، ہر موذی جانور سے بچائے، ہر تکلیف سے بچا کر اسے یہ جنگل عبور کرا دے تو یہ اس پر بیگار ہے یا اس کے لئے راحت ہے، اس کے لئے نعمت ہے! اس خاردار جہاں میں شریعت مطہرہ وہ رہنما ہے جو ہر خار سے دامن کو بچا کر انسان کو سلامت نکال کر لے جاتی ہے۔ ماخوذ از ''اکرم التفاسیر''

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-2667571

of the Quran, **Allah** has referred to the behaviour of Satan in following words: *he refused, demurred with pride and he WAS among the disbelievers*. But our translators modify the verse as: ... *and he BECAME one of the disbelievers*. They probably presume that the modified translation would be easily understood by a common reader. Whereas **Allah** has disclosed here that Satan had always been a disbeliever in Divine Knowledge. His worship and efforts were not inspired by the thought of Divine Grandeur and Greatness but were aimed at establishing self-importance and glorification. Even though he remained a disbeliever throughout, he was not punished till his disbelief became manifest. If somebody informs you that this man will commit a murder, you won't hang him unless he commits the crime. This incident answers a common question. Some people remain associated with accomplished saints for long periods. They practise meditations and attain to high stations of the Path. But afterwards, they lose all this excellence and finally leave the Order. If these people were not capable of sustaining this bliss, why were they so blessed? The answer is very simple. The basic aim of such people is self-glorification and public recognition. Their maligned intention afflicts them with 'holier than thou syndrome', like Satan. As a natural result of their association with accomplished saints they do acquire spiritual excellence, but this achievement is only momentary and temporary. Their impure intention finally reveals itself and they lose everything instantly. You will invariably discover this syndrome at the root of every such incident. I answered this important question not to condemn any particular person but as a general precaution. **Allah** has repeatedly warned mankind of Hell and its punishment so that people realise the danger and make efforts to avert it. Anybody can acquire this blessing from an accomplished Shaikh, but if he wants to use it for personal glorification and self-recognition, he will certainly lose it sooner or later. Such a person will be charged with misusing an exclusive expression of Divine Glory and Majesty. Therefore, one should visit an accomplished saint only to learn the way to accept and submit to Divine Greatness. A denouncer of Tasawwuf doesn't become a Kafir (disbeliever) like the denouncer of Shari'ah, but it has been established through the ages that such people always die on Kufr (disbelief). A similar opinion has been expressed by Maulana Thanvi-RAU. The departure of spiritual bliss drastically diminishes the ability to retain Faith, and gradually drags one to wander and ultimately perish in the dark valley of Kufr. The Quran has expressed this catastrophe thus: *those who break the covenant with you, actually break themselves*. Such a breach of trust certainly leads to self-destruction.

These were a few of my submissions about human greatness. Humanity owes its exalted status to the Ruh, which belongs to the Realm of Command. Its creation is related to the breath of the Divine Spirit and it is the instrument of Divine Nearness. Its absence negates humanity in a human being. In the words of the Quran: *they are like animals, rather worse*. A human being who loses his human excellence and greatness falls below the level of animals. May **Allah** grant us the capacity of good deeds along with true realisation and may **He** pardon us our sins and mistakes. Ameen!

equally wrong. We consider him a Bashar of our own level and find it difficult to believe that a Prophet could be a human being like us, that is the reason of our denial. The fact is that we have lost all human values and have fallen below the lowest level of humanity. He[SAW], on the other hand, symbolises human perfection and stands at the pinnacle of human excellence. He is the ideal 'Bashar' and there is none like him, it is not correct to deny his humanity. This point came up just by the way. **Allah** joined the Ruh, created from the refulgence of the Realm of Command, with the human body. According to Qazi Thna Ullah Pani Patti[RUA], the author of Tafsir-i Mazhari, the Ruh first permeates and then animates the heart. It is observed and felt at five points in the body called the Qalb, the Ruh, the Sirri, the Khafi and the Akhfa. He writes that a human being is a compound of ten elements. Five of them pertain to this world: fire, clay, air, water and Nafs (the soul) which is a subtle product of their combination. The other five Lata'if (subtleties) (Qalb, Ruh, Sirri, Khafi and Akhfa) relate to the 'Alam-i Amar (the Realm of Command). The Ruh animates and illuminates them and abides therein, as well, this opinion has been corroborated by Mujaddid Alif Thani[RAU] also. These faculties are gifted to every human being by nature. 'Every child is born with a just nature. Then his parents convert him to Judaism or fire- worship', (al-Hadith). It means that every child possesses these intrinsic faculties but is impressed or influenced by his parents or environment to deviate from the natural course. It should be understood that the angels prostrated neither before the human physical body, nor before the Nafs (the soul), but they bowed before the sublime subtlety of the Realm of Command - the Ruh. This respect and reverence is reserved for the Ruh, which elevates and perfects humanity.

The Ruh quickens the heart first. The capacity to acquire and retain the truth indicates the presence of life in a heart, while noble conduct denotes its strength. A newly born child and a young man both possess life, but there is a vast difference between their relative strength and energy. Faith inspires life in the heart and noble conduct makes it strong. But, if one doesn't accept Faith, he is divested of this subtlety of the Realm of Command, which resides in him no more. However, he retains the ability to recall it at any moment prior to his death. Certain people are totally consumed by evil and sins so that their hearts lose this capability forever and they cannot regain this grace. The Quran mentions their condition as: ***Allah** has sealed their hearts*. This seal doesn't signify the end of human life, but it denotes the impossibility of return of the Ruh from the Realm of Command to the sealed heart, whose sins have squelched this capability. *You warn them or warn them not, they would never believe*. This verse informs the Holy Prophet[SAW] that despite his best efforts to preach to such people, with warnings about the terrible consequences of evil conduct and glad tidings about the rewards of noble deeds, they would never believe; it is all the same for them. But why won't they believe? It is because **Allah** has sealed their hearts. They have severed their relationship with **Allah** and turned away from **Him** to the point of no return. For that reason, **Allah** has deprived their hearts of the ability to accept the truth. The life of the heart depends upon the light of Faith, which is distributed by the Prophets; it means that a Prophet is the real source and fountainhead of this life. Any believer who met the Holy Prophet[SAW] became his Companion. In an instant he was elevated to the highest level of humanity below Prophethood, because he was directly connected to the source of life. If you place an iron ball in fire, it will absorb the heat and colour of the fire and immediately turn into a fire ball itself, because it is directly subjected to the effect of the source. This absorption of effect is inversely proportional to time and distance. Similarly, a believer, who found the direct company of the Holy Prophet[SAW] received a greater share of Prophetic blessings than those who followed later. Every Order of Tasawwuf aims at saturating the hearts of their seekers with the light radiated by the Shaikh. This process of drawing beneficence is similar to that adopted by the Companions, Taba'in and Tab'a Taba'in, in that order. The other option is to abide by

Resurrection the sun would descend to a lance's height. But much before that, in this world, people would see lights hanging at a lance height.' He was perceiving the streetlights of today. Referring to the air travel of the present time, he wrote, 'Men will fly in the belly of huge birds, which will cover the distance of months only in moments. They will not be living animals like camels or horses and will neither eat nor drink. What would they be, only **Allah** knows best, but they would come into existence before the Last Day.' The printing press had not been invented during his time. He wrote Fatuhiyat-e Makkiyah with his pen and threw the manuscript on the rooftop of the K'abah. Years later, when someone climbed up, he found the book. The rain, storm, dust, heat or cold of the intervening years had not effaced even a single word of that masterpiece. Despite his excellence, some scholars are not prepared to accept him as a Muslim, while the Sufis call him 'the great teacher'. However, that is a common phenomenon that will continue to recur, because man is a slave to his own ego. Mujaddid Alif Thani (Rahmat **Allah** Alaihi) was branded as a non-Muslim and sentenced to jail. But, today, his Maktubat (letters) are acknowledged as an authority on religious matters. Why a man, whose letters are treated as a reference and authority today, was not himself accepted as an authority during his life? That is an important question. The answer is probably related to Divine Grace. It is not a mere incident, but a special Divine favour that **He** guides some people to benefit from **His** blessed slaves. Other people do get the reward of their good deeds but don't get the opportunity to benefit from such personalities during their lives. However, after their death, they accept and quote them as authorities and references. Only a handful of Sufis were recognised during their lives and that people benefited from them.

The Ruh has been created from the brilliance of the Realm of Command. Its essence is infinite and therefore its life is eternal. Its union grants eternal life to an otherwise mortal human being. An angel portrays total piety but was never put to any test. Shaitan was tested but he also does not possess this Ruh. What, after all, is the effect of the presence of this Ruh in the human body? If you read through the whole Quran, you will find that the jinn have been warned of punishment for their evil conduct but they have not, even once, been promised Jannah (Paradise) for their good deeds. Their good conduct and obedience can earn them simple salvation but not Paradise; 'If you obey, you will escape a painful doom.' Religious scholars maintain that, after the Divine Reckoning, the life of those jinn who attain to salvation will end, while the life of those who are sentenced to doom, will end on completion of their punishment. They are promised Hell but not Paradise. There is only one verse of Surah ar-Rahman where the jinn have been mentioned in relation to Paradise. Referring to the creation of Hoorin , **Allah** says, *'no man or jinni would have touched them before'*. According to religious scholars, the jinn have been mentioned here because, during this life, they can touch and possess human beings. If only human beings were mentioned in this verse, a doubt as to the possibility of the jinn having touched them (Hoorin) may have arisen. They have been mentioned here only to obviate this possibility. They would not enter Paradise because they do not enjoy eternal life.

There remains only one creature, the human being, who is also called 'Bashar'. The Quran refers to its creation as: ***I am going to create a 'Bashar' from clay.*** This Divine verse negates a common notion that Prophets are not human beings; it is not a correct belief because, of all creation, only humanity has been blessed with Prophethood. Anybody, who is not a human being, cannot be a Prophet. Idolaters had denied the Prophethood of the Holy Prophet-SAW on the plea that he is a 'Bashar' and thus cannot be a Prophet. We contend that he-SAW is a Prophet and therefore cannot be a 'Bashar'. The denial is similar, only its plea has been reversed. They accepted him-SAW as a human being but not as a Prophet, and we accept him as a Prophet but not as a human being. Both beliefs are

The Holy Prophet-SAW reportedly said that the Heavens and the earth and all within them look like a tiny ripple in a vast desert when compared to the 'Arsh (Divine Throne). The 'Arsh has nine storeys, that is to say there are nine 'Uroosh. The Heavens and the earth and all that they contain vanish in the vastness of the first 'Arsh like a small ring in a desert. The vastness of each subsequent 'Arsh increases in the same proportion, to the extent that the first eight 'Uroosh and all within them, appear like a small ring in a desert when compared with the vastness of the ninth 'Arsh; the Circles of the Realm of Command start here. The extent and vastness of these Circles are not measured in terms of space or distance but in the difference of their relative splendour and specific states. The ninth 'Arsh and all within, is lost in the vastness of the first Circle like a small ring in a desert. There are forty-two Circles in the Realm of Command and the vastness of each subsequent Circle increases in the same ratio. Beyond and above them are the Divine Veils. A fortunate Ruh, which transcends all of these sublime heights, has only now reached its home. Its journey towards Divine Nearness would start henceforward. The common notion that anyone who attains to the stages of Fana-o Baqa has covered the whole Sulook (sublime Path), stems from sheer ignorance. The meditations of Fana-o Baqa are like the primary letters of the alphabets of the sublime Path. As stated before, a fortunate Ruh that ascends the nine 'Uroosh and attains to the Realm of Command has only reached its home. The concept of space does not exist here. Most travellers of this Path cannot even imagine the grandeur of these heights. Those reaching here resemble a traveller who endures the hardship of his journey, braves different weathers, escapes the wayside robbers and reaches the safety of his home. But to earn himself a place of honour, he must proceed further. Beyond these stages are the Divine Veils and the stations of Divine Nearness, which are granted by Divine grace through the Holy Prophet-SAW, and God willing, this blessing shall continue forever.

However, it is strange that this grace is being talked about after many centuries and may not be mentioned again for many more. It is a common psychological phenomenon that a man realises the real worth of his possession only after its loss. A person, who is born in a family that has a personal car for everyone, would never appreciate the significance of a car. But if adversity deprives him of his car, only then will he realise and remember its ease and comfort. Similarly, wealth and status will appear to be ordinary things to a person brought up in an affluent environment. Only their loss would bring about the bitter realisation of their significance. Sufis are treated differently even in everyday life, nobody is prepared to give them any importance or pay any heed to them. People are generally driven by their ego and a false sense of self-importance. They feel that if they acknowledge **Allah**'s special favours on someone, they would be implicitly acknowledging his superiority. For that reason, they adamantly reject and antagonise him. They come to realise his worth only after his death, when they revere and quote him for centuries. Men like Ba Yazid Bustami and Abul Hassan Kharqani who are respected today as great saints, were bitterly persecuted during their lives. They were branded as heretics and accused of fabricating and preaching a new religion. They were driven out of their homes and banished from their cities. They were compelled to live in desolate places and jungles. Their entry into the civilised world was strictly banned by the rulers. But after their death, they were recognised as men of outstanding eminence. Even today, centuries later, people meditate on their tombs for spiritual bliss. Mohy ud Din Ibn-e 'Arbi is yet another example, he is known as 'Shaikh-i Akbar' (the great teacher) by Sufis. He was declared a disbeliever during his life and even today, a large number of Muslims consider him a disbeliever. He was a man divinely blessed with exceptional vision. He wrote a small treatise titled Ma Bada qabl al-Qiyamah (That which will appear before the Last Day). In that he enumerated those unusual events that he perceived through his spiritual vision, to occur before the Last Day. He wrote, 'It is said that on the Day of

from the time of their creation till the Last Day, there would have been just one Prophet among them. Once started, the process of deputising Prophets would have continued. In fact, he was a pious jinn, who was their ruler and was reportedly slain by them. In striking contrast, the foundation of humanity was laid upon Prophethood and the first human being, Adam-AS, was a Prophet of **Allah**. Prophethood has only been bestowed upon mankind because it is associated with the breathing of the Divine Spirit. **Allah** addressed the angels saying, '**I** am creating a human being from potter's clay of altered mud, but this new creation will be significantly different from the existing creatures such as heavenly bodies, animals, birds, plants and trees. When **I** have shaped him and breathed into him from **My** Spirit, you shall all prostrate before him'. This breathing of the Divine Spirit is the basis of Prophethood. What is Prophethood in reality and what additional attributes distinguish a Prophet from a common human being? It is that the heart of a Prophet can perceive **Allah** directly! Prophethood denotes this direct perception, connection and communication without any means or medium. **Allah** speaks directly to **His** Prophets, and through them **He** communicates **His** Message to the rest of mankind! The hearing and the comprehension of Divine Speech is an exclusive honour and privilege of a Prophet. A non-Prophet has to turn to a Prophet for knowledge of the Divine Being. With all of its various organs, the human body has to depend on its eyes for vision and observation. A Prophet is like an eye for humanity, he is the instrument of Divine perception, observation and communication. He is the sole connection between man and God, this distinction is known as Prophethood.

Humanity was blessed with this honour because it received something from the Divine Spirit. Religious scholars have expounded, to exhaustive details, the Divine Verse: *and when I breathe something of My Spirit into him*, to determine the reality of breathing of the Spirit. Before discussing the point, it shall be proper to first understand the nature of the Spirit (Ruh). These scholars maintain that the spirit is a subtle energy released by a combination of various body elements in their Divinely ordained proportion. It permeates every drop of blood, animates each cell of the body and initiates all physical and mental activity. This spirit is known as the 'animal soul'. It is the source of life common to all live species including human beings and birds. All living beings have a common level of life. But at this point, the human being distinguishes itself from the rest of creation. Along with the soul, he is blessed with a subtle angelic Spirit (Ruh) from the Realm of Command. Now what is that Spirit? *They question you about the Ruh. Say: It is from the Command of my Lord but you have been given no knowledge about it, save a little.* During the Holy Prophet's-SAW time, the Makkans sent their envoys to Jewish scholars in Madinah to devise difficult religious questions to be asked of the Holy Prophet-SAW. They knew for sure that, none except a Prophet blessed with Divine knowledge could ever answer them. One of their questions related to the nature of the Ruh. Divine Revelation answered that the Ruh was from the Command of the Lord. Now, what is this Command of the Lord? A Command is not a creation but a personal Attribute of **Allah**. The Ruh is a creation, but it has not been created from any matter or element. It has been created by a Divine Command. It is from the Command of **Allah** but it is not the Command itself, because a Command is an uncreated Divine Attribute. All Attributes of **Allah** are eternal, as is **His** Essence. **He** did not create and then adopt any of **His** 'previously non-existing' Attributes; it is not worthy of **Him**. **His** Absolute Self is beyond the concept of any beginning or end. Similarly, **His** Attributes have no beginning or end. No one shares **His** Sublime Essence or any of **His** Attributes. The Attribute of Command manifests itself at a different plane of existence, known as the Realm of Command. According to religious scholars, the Realm of Command begins where the Realm of Creation ends. It is across from and beyond the boundaries of creation.

THE SUBLIME HUMAN

Truly, WE created man from potter's clay, altered mud; though earlier WE created the Jinn from the essence of fire. (Remember) when your Lord said to the angels: "Note well: I am creating a mortal from potter's clay, altered black mud! When I have created him and have breathed into him from My Essence, prostrate yourselves before him." The angels, in their entirety, did so prostrate themselves, except Iblis. He refused to prostrate. (15: 26~31)

These verses of Surah al-Hijr from the 14th Part of the holy Quran, mention the four creations, from amongst the multitude of creations that are accountable for their deeds. These four comprise the angels, Satan, the jinn and human beings and only these four species are required to obey their Lord and will have to account for their actions. The remaining innumerable creatures have not been given any option. They strictly follow their natural instincts granted to them by **Allah**. Therefore, in the literal sense, they neither obey nor disobey their Creator. Out of these four accountable creations, the angels have been created from light; they don't have an animal soul (Nafs), therefore, they have no material needs, requirements or desires. **Allah**'s Zikr and obedience is all that they require and desire; they are obedience personified. In the opinion of religious scholars, Satan (Shaitan) is a jinn by creation. He worshipped **Allah** so assiduously and devotedly that he was graded as a separate creature, included in the angels and permitted to live with them in the Heavens. The jinn were created before humans and **Allah** mentions their creation as being from the flame of fire. They have been created from its invisible heat. By itself, fire is an invisible and subtle element, only the burning particles and substances are visible. The jinn were created from that subtle essence of fire. It is important to note that both the angels and the jinn possess life, but the infusion of a Ruh (Spirit) has not been mentioned in either's case. The jinn are also accountable for their deeds because they possess the realisation to fulfil the desires and obligations of their lives. They require food and drink, possess wealth and property, experience the effects of weather and have families, wives, children, friends and foes. They inhabited the earth before the advent of humanity. The most pious and God-fearing amongst them was appointed their ruler with a definite code of conduct. So long as they adhered to that code, they lived in peace but gradually they transgressed and rebelled. Their king died or they killed him and spread vice and corruption upon the earth. At that point, angels were sent down from the Heavens; they would kill some of the rebels, imprison some, punish others and thus restore peace and order. Once again the best jinni was appointed their king and the process so continued. Shaitan was one of them; he was elevated to live in the Heavens, in recognition of his submission and worship, with the responsibility to subdue the rebellious and corrupt jinn. Off and on, he descended proudly with an army of angels to accomplish this mission.

Despite the fact that the jinn possess life and are responsible to abide by an ordained code of conduct, there has been no Prophet or Messenger amongst them, there is a consensus on this point. Although some religious scholars have referred to a Yousuf Ibn-e Yasif as a jinn-Prophet, the majority has rejected this claim for the reason that Prophethood is not a onetime arrangement. It is unseemly or improper to presume that